وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد12	شمارہ09	ذوالحجہ1439ھ	ستمبر2018ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: ثاقب نذر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون چوبیس ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت: اندورنِ ملک 800 روپے، معمول کا شمارہ 50 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ البقرۃ	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	''پیغامِ پاکستان'' کے حوالے سے تنظیم اسلامی کا موقف (بیانیہ)	حافظ عاکف سعید	10
5	حکمت اقبال پر ایک عمومی نظر	ڈاکٹر محمد رفیع الدین	16
6	برطانیہ ہندوستان سے کل کتنی دولت لوٹ کے لے گیا؟		32
7	توحید کی خوشبو پھیلی ہے شش جہات	محمد فیاض عادل فاروقی	43
8	مسائل میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان 9	حافظ مختار احمد گوندل	45
9	یومِ آزادی۔۔ہم سب کا پاکستان	محمد منظور انور	55
10	تبصرہ وتعارف کتب		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ البقرۃ (02) آیات 13-16

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح

لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ

قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ

(تو) کہتے ہیں بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں

(اسی طرح) ہم بھی ایمان لے آئیں؟

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ السُّفَہَآءُ وَلٰکِنۡ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾

سن لو کہ یہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا

اور یہ لوگ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان والے ہیں

وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ قَالُوۡۤا

اور جب اپنے (جیسے) شیطانوں کے پاس

خلوت میں ہوتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ

اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭

ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اہل ایمان سے) تو ہم ہنسی کیا کرتے ہیں

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ

ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیے جاتا ہے

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

کہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

پس نہ تو ان کے اس لین دین نے انھیں کوئی نفع دیا

وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯

اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہی ہوئے

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پایمال و خوار و پریشان و درد مند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تو رِزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں!
میں نُہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

علامہ اقبالؔ

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِیْ یُقَاتِلُونَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ، قَالَ: فَیَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ علیہ السلام، فَیَقُوْلُ أَمِیْرُهُمْ: تَعَال صَلِّ لَنَا، فَیَقُوْلُ: لَا، اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ

(مسلم، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)

میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر (اسلام دشمن قوتوں سے) لڑتی رہے گی (اور) قیامت تک غالب رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا: آپ آئیں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔ تو وہ کہیں گے: نہیں، تمہارے میں سے ہی بعض لوگ دوسروں پر امیر ہیں، یہ اللہ نے اس اُمت کو عزت بخشی ہے۔

ریاستِ مدینہ کا عکس جمیل
دوقومی نظریہ کا حامل پاکستان

انجینئر مختار فاروقی

☆ ہر آنے والے حکمران کے ذہن میں کچھ نادر خیالات اور منصوبے ہوتے ہیں۔ ملک خداداد پاکستان کے 22ویں وزیراعظم جناب عمران احمد خان نیازی طویل جد و جہد کے بعد ملک کے اس اہم منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ ان کے ذہن میں بھی بجا طور پر بہت سے 'تاج محل' مچل رہے ہوں گے ان میں سے بعض کا تو انھوں نے برمحل پریس میں تذکرہ بھی کر دیا ہے اور بعض ابھی پردۂ اخفاء ہی میں ہیں۔

☆ وزیراعظم پاکستان جناب عمران احمد خان نیازی سے ہمارا کوئی تعلق محض اس واسطے سے ہے کہ ہم بحمداللہ اس ملک کے شہری ہیں اور یہ ملک جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی چار صد سالہ احیائی کوششوں کا حاصل ہے اور برعظیم پاک و ہند و افغانستان و بنگلہ دیش و برما و سری لنکا کے مسلمانوں کی نظریاتی و دینی اُمنگوں اور آرزوؤں کی جنت ہے۔ آخری مرحلہ میں اس چار صد سالہ نظریاتی جدوجہد نے علامہ اقبال کے نظریات، دوقومی نظریہ، قائداعظم محمد علی جناح کی انتھک نظریاتی جدوجہد اور شہیدانِ پاکستان (وہ مخلص مرد و خواتین اور معصوم بچے جو پاکستان کے قیام کے موقع پر یا دورانِ سفر ہجرت شہید کر دیے گئے یا وفات پا گئے یا وہ باصفا و باوفا مسلمان مرد و خواتین جنھوں نے اس پاکیزہ مقصد کے لیے کسی بھی مرحلہ پر جان، مال، عزت اور آبرو کی قربانیاں دیں) کے خون اور آنسوؤں کی شکل اختیار کی تھی۔

☆ دین اسلام کو ترک کر کے دین الٰہی ایجاد کرنے والے مغل بادشاہ اکبر علیہ ماعلیہ کی 'روشن خیالی' اور لبرل ازم کی نفی کرتے ہوئے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر بیسویں صدی کی تحریک خلافت کی ملک گیر تحریک تک اس نظریاتی جدوجہد کا دوسرا نام دوقومی نظریہ تھا جو 1920ء سے 1947ء کے برطانوی ہند کے لٹریچر اور پریس میں رچا بسا ہوا تھا اور ہر ہندو اور مسلم اس کو پہچانتا تھا۔ افسوس کہ آج اس ملک پاکستان میں نہ دوقومی نظریہ ہے، نہ نظریاتی تعلیم ہے نہ علامہ اقبال کے افکار ہیں نہ قائداعظم کی نظریاتی جدوجہد کی قدردانی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ایک جعلی تقریر (11/اگست 1947ء) کو بنیاد بنا کر پاکستان کی ساری نظریاتی جدوجہد پر پانی پھیر دیا گیا ہے۔ اگر قائداعظم محمد علی جناح کو یہ معلوم ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد یہی DAWN اخبار اُن کی طرف 11 اگست 47ء کی ایک فرضی تقریر منسوب کر کے اُن کی ساری نظریاتی جدوجہد کو ZERO کر کے سیکولر نظریات کا داعی مشہور کر دے گا تو (شاید) وہ کبھی اس اخبار کا افتتاح نہ کرتے (واللہ اعلم)۔

☆ ہمارے نزدیک وزیراعظم پاکستان جناب عمران احمد خان نیازی کو جو اہم کام سرانجام دینے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1۔ سرکاری و غیر سرکاری پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر دوقومی نظریہ کو فروغ دینا ازحد ضروری ہے۔

2۔ ہمارے ملک کے نصابِ تعلیم میں آکسفورڈ اور کیمبرج کا لادین، سیکولر اور خدابیزار نصابِ تعلیم ختم کر کے اس کو دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ازسرنو ترتیب دینا ضروری ہے اور جس کے لیے قومی زبان کو پہلی سے ایم اے تک ذریعہ تعلیم بنانا نہایت ضروری ہے۔

3۔ 'پیغامِ پاکستان' نامی سرکاری بیانیہ اگرچہ 100% دوقومی نظریہ اور افکار علامہ اقبال و قائداعظم پر پورا نہیں اُترتا تاہم اس سرکاری بیانیے کے تحت ملک کی افواج، سرکاری ملازمین، اعلیٰ بیوروکریسی کو نظریاتی بنانا ہی اس ملک کی حقیقی خدمت ہے۔ اس ملک کے ممبرانِ پارلیمنٹ اگر صادق اور امین ہونے چاہئیں تو کیا فوج جس کی نگرانی میں الیکشن ہوتے ہیں، تمام ریٹرننگ افسران، تمام عدالتی عملہ، الیکشن کمیشن کے تمام اہل کار، پولنگ کا تمام عملہ سب کے سب صادق اور

امین ہونا کیوں ناگزیر نہیں ہیں؟

4۔ ہمارے نزدیک پارلیمنٹ (سینٹ اور قومی وصوبائی اسمبلی ممبران) جس نے ملک چلانا ہے اور اس کے لیے نظریاتی و آئینی قانون سازی کرنی ہے اس کے معزز ممبران کے لیے ایک 15 روزہ نظریاتی ریفریشر کورس وضع کرنا اور اس میں سے ابتدائی چند ماہ میں ہی سب ممبران کو گزارنا 'نیا پاکستان' اور 'ریاست مدینہ' کی طرح کے پاکستان کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس کورس کے لیے مناسب رہنمائی دو قومی نظریہ کے قائلین و عاملین سے لی جاسکتی ہے اور اس کے اخراجات ممبرانِ پارلیمنٹ سے وصول کیے جاسکتے ہیں اور آئندہ الیکشن میں اس کورس میں شرکت نامزدگی کے کاغذات کی منظوری کے لیے لازمی قرار دیا جائے۔

5۔ اس ملک کو ابتدائی سالوں میں ملک خداداد پاکستان کہا جاتا تھا اگر اس ملک سے کرپشن کا خاتمہ کرنا ہے تو سارے ترقیاتی کام محکمانہ سطح پر انجام پائیں اور ایسا FOOL PROOF انتظام کیا جائے کہ اس کا بوجھ ہرگز ہرگز قومی وصوبائی ممبران اسمبلی پر نہ ڈالا جائے۔ بلکہ اگر وزیر اعظم صاحب ہمت کریں تو ملک کے طول وعرض میں پھیلے مختلف منصوبوں کے افتتاحی اور سنگ بنیاد کے بورڈ بحق سرکار ضبط کر لیے جائیں بلکہ اس کا خرچہ افتتاح کرنے والے حضرات سے وصول کیا جائے تاکہ آنے والوں کو عبرت ہو۔

مختلف منصوبوں کے افتتاحی بورڈ صرف صدر، وزیر اعظم اور صوبائی وزراء اعلیٰ تک محدود کر دیے جائیں اور محکمانہ کاموں کے لیے صوبائی وزراء۔

6۔ ہم ان سطور میں اپنے نئے آنے والے وزیر اعظم سے کسی معجزانہ کارکردگی کی توقع نہیں رکھتے لیکن اگر وہ احتساب کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کو نظریاتی بنا سکیں اور آئندہ نسلوں کو نظریاتی نظامِ تعلیم دے جائیں جس میں فکر اقبال سمویا ہوا ہو تو یہ اُن کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

7۔ ہماری دُعا ہے کہ اس ملک خداداد پاکستان کی نظریاتی بنیادیں مضبوط ہوں یہ ملک خالق کائنات کے عالمی غلبہ اسلام کے منصوبے کی اہم کڑی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو حکمران اس ملک عزیز کو اس سمت میں آگے لے جائے گا وہ امر ہو جائے گا اور جو (بدنصیب) اس ملک کو اس کی نظریاتی پٹڑی سے اُتارنے کی کوشش کرے گا وہ خود نشانِ عبرت بن جائے گا۔

ہماری کامیابی کا راز یہی ہے کہ ہم جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی چار صد سالہ محنت سے حاصل کردہ اس ملک کو نظریاتی رُخ پر ڈال سکیں اسی سے ہماری اور اس ملک کے باسیوں (مسلم و غیر مسلم) کی دنیا بھی بنے گی اور آخرت کی بہتری بھی میسر آ سکتی ہے۔ اس نظریاتی جدوجہد کے لیے پاکستان کا ہر شہری اتنا ذمہ دار ہے جتنا اس کے پاس اختیار ہے ہم اپنے طور پر جو بن آتا ہے کر رہے ہیں جو کام بڑی شخصیات اور مقتدر طبقہ کے کرنے کا ہے اس کے لیے وہی جوابدہ ہیں ہمارا کام توجہ دلانا ہے جو ہم کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

اِک طرز تغافل ہے سو اُن کو مبارک
اِک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

8۔ اگر جناب وزیراعظم صاحب ملک کو نظریاتی ملک بنانے کا عزم رکھتے ہیں تو جیسے اسرائیل کے وزیراعظم نے اسرائیل کو ایک یہودی ریاست DECLARE کر دیا ہے آپ بھی ملک پاکستان کو ایک خالص اسلامی ملک DECLARE کر دیں اور اس ملک میں (برادر اسلامی ملک ایران کی طرح) عظیم اکثریت کے نظریات کے مطابق فقہ حنفی کو ملکی قانون کا درجہ دے دیں اور ملک کی واضح اکثریت کو چھوٹی اقلیت کی دست درازی سے محفوظ کر دیں۔ البتہ اعلیٰ سطحی عدالت بنائیں جس میں علماء اور قانون کے ماہرین کو جمع کر کے اس قانون میں حقیقی تبدیلیاں لانے کے لیے سفارشات کا راستہ کھول دیں کہ جو چیز فقہ حنفی میں قرآن و حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے اس کو جلد از جلد قانون سازی کے لیے قرآن و سنت کے مطابق بدل دیا جائے تو ملک میں آئندہ دس سالوں میں ہی سب کے لیے قابل قبول اسلامی قانون نافذ ہو جائے گا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آمین یارب العالمین

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علامہ اقبال

’’پیغامِ پاکستان‘‘ کے حوالے سے
تنظیم اسلامی کا موقف (بیانیہ)

حافظ عاکف سعید صاحب
امیر تنظیم اسلامی پاکستان
(بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور، اگست 2018ء)

حال ہی میں حکومتی سطح پر ایک اہم ایشو پر پاکستان کے اسلامی تشخص کے حوالے سے ایک بیانیہ کا اجراء ہوا ہے۔ پاکستان کے معروف اور مستند علماء کرام سے اس کی توثیق کا اہتمام بھی کیا گیا۔ ملک کے چوٹی کے علماء کی اکثریت نے حکومتی بیانیے کی جزوی تائید کرتے ہوئے مختلف پہلوؤں سے اختلافِ رائے کا اظہار بھی کیا ـــــ تاہم حکومتی سطح پر ایک مخصوص بیانیے کو فیصلہ کن قرار دیا گیا۔ ع رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند!

یہ سوال کہ پاکستان حقیقی معنوں میں ایک اسلامی ریاست ہے یا نہیں ہے؟ عام دینی حلقوں میں اس پر کم ہی گفتگو کی جاتی ہے‘ جبکہ تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں نہ صرف یہ کہ ایک واضح موقف رکھتے تھے بلکہ اپنی تحریروں اور تقاریر میں دوٹوک انداز میں اس کا اظہار بھی کرتے تھے‘ اور بالخصوص اہم قومی ایام مثلاً یومِ پاکستان ۲۳ مارچ اور یوم آزادی ۱۴/اگست کے مواقع پر ان موضوعات پر خصوصی خطابات اور سیمینار وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے تھے‘ اور بحمد اللہ تنظیم اسلامی کی سطح پر یہ کام آج بھی جاری ہے۔

تنظیم اسلامی اور اس کے بانی کے موقف کا خلاصہ نکات کی شکل میں درج ذیل ہے:

۱) پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانانِ برصغیر نے آزادی کی تحریک اس بنیاد پر چلائی تھی کہ ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!‘‘

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تائید غیبی کا مظہر تھا۔ اس حقیقت کا اظہار قائداعظم نے بھی اپنے معالجین کی ایک ٹیم کے سامنے کیا تھا' جس کے راوی ڈاکٹر ریاض علی شاہ ہیں' جو قائداعظم کے آخری ایام میں اس ٹیم کا حصہ تھے۔

۲) قیام پاکستان کے فوراً بعد قومی سطح پر قراردادِ مقاصد منظور کی گئی جس میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کا ببانگ دہل اقرار کیا گیا۔ بعدازاں اسے دستورِ پاکستان کا باقاعدہ جزو بنا دیا گیا۔ اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کو دستوری طور پر ایک اسلامی ریاست کا مقام نظری طور پر حاصل ہو گیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلك ۔ واضح رہے کہ پاکستان کا آئینی نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے' جبکہ عالم اسلام کے دیگر ممالک میں سے کسی کے نام میں بھی ''اسلام'' کا لفظ شامل نہیں ہے۔

۳) قیام پاکستان کے بعد قراردادِ مقاصد کی منظوری دِینی حوالے سے ایک مثبت پیش رفت تھی' جس میں اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا واضح اقرار موجود تھا' اور بعدازاں اس قراردادِ مقاصد کو دستورِ پاکستان کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا۔ لیکن دستور کی اس شق کو پورے دستور پر حاوی قرار نہیں دیا گیا۔ چنانچہ طرفہ تماشا یہ ہوا کہ دستور میں ایک جانب اللہ کو حاکم اعلیٰ قرار دیا گیا ہے' تو دوسری جانب اسی دستور کی بعض شقیں صریحاً خلافِ اسلام بھی ہیں' اور نہایت قابل افسوس امر ہے کہ ہماری اعلیٰ عدلیہ نے بھی دستور کی تشریح کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ دستور کی کوئی ایک شق دوسری پر حاوی نہیں ہے۔ چنانچہ دستور کے اس ابہام کی آڑ میں انہوں نے بہت سے مواقع پر صریحاً خلافِ اسلام فیصلے صادر ''فرمائے''۔ اور اپنے ان شرمناک ''تاریخی'' فیصلوں کے ذریعے ثابت کر دیا کہ دستور میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار محض نمائشی ہے' حقیقت میں ہم اس دستور کے تحت اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کو عملاً تسلیم نہیں کرتے۔ (واضح رہے کہ اسی تناظر میں بانیٔ تنظیم اسلامی نے نواز شریف کو' جب وہ ہیوی مینڈیٹ کے ساتھ کامیاب ہوئے تھے' مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اسمبلی میں اپنی دوتہائی اکثریت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دستور میں چند ضروری ترامیم کریں' جس کے ذریعے اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کو حقیقی معنوں میں مؤثر بنایا جا سکے۔)

۴) اس تناظر میں بانی تنظیم اسلامی کا موقف یہ تھا کہ چونکہ ہمارے دستور میں نظری طور پر اللہ تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ (Sovereign) مانا گیا ہے' لہٰذا ریاست پاکستان کو اسلامی ریاست تسلیم کیا جائے گا' لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ عملاً اللہ کی حاکمیت کا عملی نفاذ یہاں ریاستی سطح پر سرے سے کیا ہی نہیں گیا' بلکہ آج تک بھی کم وبیش ہمارا پورا حکومتی وریاستی نظام انگریز کے بنائے ہوئے قوانین پر ہی چل رہا ہے۔

مصورِ پاکستان علامہ اقبال اور معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نئی ریاست پاکستان کے اسلامی فلاحی ریاست ہونے کے حوالے سے مکمل فکری ہم آہنگی رکھتے تھے۔ خطبہ الہ آباد میں علامہ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانانِ برصغیر کو آزاد خطہ زمین اس لیے درکار ہے تاکہ دورِ ملوکیت میں اسلام کے روشن چہرے پر جو بدنما داغ پڑ گئے تھے انہیں دور کر کے دنیا کو ایک حقیقی اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کیا جائے۔ اور بانیٔ پاکستان قائداعظم کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے' فرماتے ہیں کہ پاکستان کا آئین تو تیرہ سو سال پہلے قرآن پاک کی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔ لیکن آج ہم ریاست کی سطح پر قرآن پاک کی تعلیمات اور سنتِ رسولؐ سے عملی طور پر کوسوں دور ہیں۔ قرآن پاک نے انسان کی اجتماعی زندگی کے سیاسی اور معاشی گوشوں کے حوالے سے بنیادی اصول فراہم کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج قیام پاکستان کے ۷۱ سال بعد بھی ملکی معیشت کی بنیاد سود پر ہے۔ حالانکہ ہماری وفاقی شرعی عدالت ۱۹۸۱ء میں بینک انٹرسٹ کو سود قرار دے کر حکومت کو یہ فیصلہ سنا چکی تھی کہ ایک سال کے اندر اندر سودی معیشت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کے متبادل اسلامی مالیاتی قوانین کی روشنی میں مکمل لائحہ عمل بھی حکومت کو دے دیا گیا تھا' لیکن اس واضح فیصلے کے آنے کے بعد بھی آج تک ہم سودی نظام کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ سود کے حوالے سے قرآن حکیم کا دوٹوک فرمان ہے کہ ''اگر تم سود سے باز نہیں آتے تو سن لو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے''۔ اس تناظر میں کہ ہم بحیثیت ریاست ڈھٹائی کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں' پاکستان کو اسلامی ریاست قرار دینا کیا مشکوک نہیں ہو جاتا؟ قرآن پاک میں اللہ ربّ العزت نے اسلامی معاشرتی نظام کو بھی بہت اہمیت دی

ہے اور اُسے کھول کر بیان کیا ہے‘ لیکن بدقسمتی سے معاشرتی اور سماجی حوالے سے ہماری پستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ہم نے بطور ریاست پرویز مشرف کے دور سے مغربی تہذیب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے‘ جو اَب ریاست پاکستان میں نیچے عوام تک سرایت کر چکا ہے۔ عریانی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ عورت کا پردہ اور مرد و زن کا نگاہیں نیچی رکھنا جس کا قرآن پاک واضح حکم دیتا ہے‘ اسے (معاذ اللہ!) پسماندگی اور جہالت سمجھا جانے لگا ہے۔ مغرب کی تقلید کرتے ہوئے عورت کو شمع محفل ہی نہیں‘ مارکیٹ commodity بنا دیا گیا ہے. عورت کو مرد کو لبھانے کی ذمہ داری دے دی گئی ہے تاکہ تجارت اور کاروبار کو ترقی دی جا سکے۔ ریاستی سطح پر بھی خلافِ اسلام اور خلاف آئین قانون سازی ہو رہی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں ایک فوجی طالع آزما نے ایسے عائلی قوانین نافذ کیے تھے جسے مسلمانوں کے تمام مسالک نے غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیا تھا‘ لیکن آج تک ان میں کوئی تبدیلی جمہوری اور سول حکومت بھی نہ لا سکی‘ حالانکہ جماعتی اور گروہی مفاد میں انہوں نے آئین میں متعدد ترامیم بھی کی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حقوقِ نسواں کے تحفظ کی آڑ میں خلافِ شریعت قوانین کا مسلسل اضافہ کیا جا تا رہا ہے۔

قصہ کوتاہ‘ ریاستی سطح پر ہمارا معاشی نظام سود پر استوار ہے‘ جس کے حوالے سے از روئے قرآن ہم اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف حالتِ جنگ میں ہیں۔ گویا ہمارا شمار اللہ کے باغیوں میں ہے۔ ہمارے معاشرتی اور عائلی نظام میں بے شمار شقیں صریحاً خلاف اسلام ہیں۔ ہمارا سارا حکومتی نظام آج بھی انگریزوں کے بنائے ہوئے اصولوں پر چل رہا ہے۔ اسی طرح ہمارا عدالتی نظام بھی صریحاً اسلام کے خلاف ہے اور اس میں کسی تبدیلی کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔

ایسے معاشرے میں جہاں ریاستی اور آئینی سطح پر اللہ کی حاکمیت کو زبانی طور پر تسلیم کیا جا تا ہو لیکن عملی طور پر وہ معاشرہ اسلامی قوانین اور نظام سے محروم ہو‘ وہاں علماء کرام کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ ایسے ’مسلمان‘ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اہم ترین بن جا تا ہے۔ بالخصوص نہی عن المنکر اگر نہ کیا جائے تو قرآن و حدیث کی رُو سے ایسے معاشرے پر دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے پھٹکار مسلط کر دی جاتی ہے اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوتے ہیں۔ (بحوالہ سورۃ المائدۃ‘ آیات: ۶۳ اور ۷۸)

اب آیئے‘ اُس نکتے کی طرف جس بنا پر پیغام پاکستان کے اجراء کی ضرورت محسوس کی گئی اور وہ ہے دہشت گردی سے نجات حاصل کرنا۔ تنظیم اسلامی کے نزدیک دہشت گردی کا ارتکاب ایک گھناؤنا فعل ہے جو قابل مذمت ہی نہیں قابل نفرت بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا تمام دہشت گرد پیدائشی دہشت گرد تھے؟

یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کی شمال مغربی سرحد کی رضا کارانہ طور پر حفاظت کرنے والے قبائلی دوست ریاست کے دشمن کیوں بن گئے؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی اچھا معالج مرض کے ابتدائی سطح پر ہی میجر آپریشن کا فیصلہ نہیں کرتا۔ وہ دوادارو سے کام لیتا ہے۔ مریض کو اُن خطرات سے آگاہ کرتا ہے جو مرض کے بگڑنے کی صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ فکری امراض جسمانی امراض سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ فکری مریض زیادہ توجہ کا مستحق ہوتا ہے‘ اُسے دعوت و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کی ناپختہ سوچ کو صحیح راہ پر لانے کے لیے محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ فکری مریض کو صرف طاقت کے بل بوتے پر راہ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔ طاقت کا فوری استعمال بسا اوقات اُسے دشمن کی صفوں میں دھکیل دیتا ہے۔ پھر یہ کہ اُس کے تحفظات کو ایڈریس کرنے اور بلاتعصب ایڈریس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ نائن الیون اور سانحہ لال مسجد سے پہلے پاکستان میں دہشت گردی کا نام ونشان نہیں تھا۔

ہمارے نزدیک پاکستان میں سیکولرازم کا خاتمہ اور اسلام کا حقیقی نفاذ یقینی طور پر اُس پراپیگنڈے کی ہوا نکال دیتا جسے آڑ بنا کر دشمن دہشت گردی کروا رہا تھا۔ اسلام کا عادلانہ نظام دشمن کے منحوس عزائم کو ناکام بنا دیتا۔ لیکن بدقسمتی سے ہم نے ڈنڈا گھمانے پر اکتفا کیا۔ سیدھی سی بات ہے کہ بھارت‘ امریکہ اور اسرائیل جیسی اسلام دشمن قوتیں کبھی یہ نہ چاہیں گی کہ پاکستان میں اسلام کا عادلانہ نظام رائج ہو۔ وہ اس حوالے سے ایک طرف ریاست کی مقتدر قوتوں کو دباؤ میں لائیں گی اور دوسری طرف دہشت گردوں کی پشت پناہی کریں گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارا یہ ملک جو اس اعتبار سے یقیناً بہت منفرد اور مقدس ہے کہ اسلام کے نام پر بنا‘ لیکن آج اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کے باعث اللہ کی رحمت اور نصرت

سے محروم ہے۔ بلکہ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ.....﴾ کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں سے دوٹوک وعدہ کیا ہے کہ: ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾۔ واضح رہے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے' کفار سے نہیں ہے!

تو غور کیجیے' کیا آج ہم دنیا میں سربلند ہیں؟

حرفِ آخر

جاری کردہ ''پیغامِ پاکستان'' کا مخمصہ یہ ہے کہ پاکستان کے حکمران اور تمام مقتدر قوتیں آئینی اور قانونی طور پر وہ حقوق یا قوت حاصل کرنا چاہتی ہیں جو صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کو حاصل ہیں۔ لیکن پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی راہ میں جو حقیقی رکاوٹیں موجود ہیں انہیں دور کرنے کو تیار نہیں۔ ریاست پاکستان اس وقت اسلامی اور سیکولر قوانین کا ملغوبہ ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اسلامی ریاست کے خلاف جدوجہد یقیناً جرم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ریاست پہلے ثابت تو کرے کہ وہ حقیقی طور پر اسلامی ریاست ہے۔ یہ ثبوت نظری طور پر بھی (یعنی آئین اور تعزیراتِ پاکستان کے مطابق) پیش کیے جائیں اور عملی طور پر ریاستی سطح پر ان کا نفاذ بھی ہو۔ جب آپ اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے لوگ بٹھا دیں گے جو واضح طور پر کہتے ہیں کہ ''ریاست کی سطح پر دین کی بات کرنے کا کسی کو حق نہیں'' مزید برآں ایسے نام نہاد مذہبی سکالرز کی حوصلہ افزائی کریں گے جو اس طرح کی موشگافیاں کرتے ہیں کہ ''پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا از روئے شرع کہیں مطلوب نہیں'' اور حکمرانوں کی طرف سے عملی مظاہرہ بھی ان اقوال کی روشنی میں ہو رہا ہو تو پھر آپ ان حقوق یا قوت کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب کیسے ہو سکتے ہیں جو ایک اسلامی ریاست کا حق ہے؟ اگر مذہب کو ریاستی امور میں دخل اندازی کا حق نہیں ہے تو ریاست کو محض اپنے مفادات کے تحت مذہب کو استعمال کرنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟

❁❁❁

حکمتِ اقبال پر ایک عمومی نظر

(1)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

کی کتاب 'حکمتِ اقبال' سے ایک باب

حکمتِ اقبال میں تصورِ خودی کا مقام

اقبال کے تمام حکیمانہ افکار کا سرچشمہ صرف ایک تصور ہے جسے اقبال نے خودی کا نام دیا ہے۔ اقبال کے تمام تصورات اسی ایک تصور سے ماخوذ ہیں اور اس سے علمی اور عقلی طور پر وابستہ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کے تمام تصورات خود ایک دوسرے کے ساتھ بھی ایک علمی اور عقلی رشتہ میں منسلک ہیں اور اقبال کا فکر ایک ایسے نظامِ حکمت کی صورت میں ہے جس کا ہر تصور دوسرے تمام تصورات سے علمی اور عقلی تائید اور توثیق حاصل کرتا ہے۔ جب تک ہم اس نظامِ حکمت کے مرکز یعنی تصورِ خودی کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اقبال کے کسی تصور کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور اس کے برعکس جب تک ہم اقبال کے ہر تصور کو جو اس کے نزدیک تصورِ خودی کے حاصلات یا مضمرات میں سے ہے پوری طرح نہ سمجھ لیں ہم خودی کے تصور کو پوری طرح سے نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے افکار کو الگ الگ کر کے اپنے غور و فکر کا موضوع نہ بنائیں بلکہ اس کے پورے فکر کا مطالعہ ایک کل یا وحدت کی حیثیت سے کریں۔

ظاہر ہے کہ جب اقبال کا ہر تصور ایک پورے نظامِ فکر کا جزو ہے اور یہ پورا نظامِ فکر اس کی تشریح اور تفہیم کرتا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اسے اس نظام کے جزو کی

حیثیت سے ہی زیرِغور لائیں۔ اگر ہم اس پورے نظامِ فکر سے الگ الگ کر کے یا اس کے کسی پہلو کو نظر انداز کر کے یا حذف کر کے یا غیر ضروری قرار دے کر اس پر غور کریں گے تو اس کے صحیح مفہوم پر حاوی نہ ہو سکیں گے۔ جب تک ہم اقبال کے کسی تصور کی ماہیت کو اس کے پورے نظامِ فکر کی روشنی میں اور اس کے باقی ماندہ تصورات کی مدد سے معین نہ کریں گے وہ ہمارا اپنا پسندیدہ تصور ہو تو ہو، اقبال کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اقبال کا تصور تو وہی ہو سکتا ہے جس کی ماہیت اس کے پورے نظامِ فکر نے معین کی ہو۔ جب ہم ایک نظام حکمت کے کسی جزو کو اس سے الگ کر دیں تو وہ اسی طرح سے مردہ ہو جاتا ہے جس طرح کہ جسم حیوانی کا ایک عضو جسم سے کاٹ دیا جائے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ یہ اصول فہم اقبال کے لیے ایک کلید کا درجہ رکھتا ہے۔ اقبال کا مطالعہ کرنے والوں یا اقبال پر لکھنے والوں میں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، پاکستانی ہوں یا غیر پاکستانی آج اقبال کے نظریات کے بارہ میں جس قدر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، جس قدر مباحثے یا اختلافات موجود ہیں، جس قدر ان نظریات کو نادانستہ طور پر اپنے اپنے خیالات کی تائید میں استعمال کرنے کی غلط کوششیں کی جا رہی ہیں اور ان کے مفہوم کے اندر تضادات کے شبہات پیدا کیے جا رہے ہیں ان سب کا باعث یہی ہے کہ انہوں نے اس اصول کو مدنظر نہیں رکھا۔

ایک ایسے فلسفہ کے اندر جس کے تمام تصورات صرف ایک ہی مرکزی یا بنیادی تصور سے ماخوذ ہوں حقیقی تضادات کا ہونا ناممکن ہے ایسی حالت میں تضاد پڑھنے والے کے ذہن میں ہو تو ہو لیکن فلسفی کے ذہن میں نہیں ہو سکتا۔ روضۂ تاج محل ایک خوبصورت کل یا وحدت ہے جس میں کہیں کوئی تضاد موجود نہیں جس کی ہر اینٹ اس کی پوری وحدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے لیکن فرض کیا کہ کسی حادثہ کی وجہ سے اس کے بیسیوں ٹکڑے ہو جاتے ہیں جو دور دور بکھر جاتے ہیں اگر وہاں سے کوئی ایسا شخص گزرے جس نے روضۂ تاج محل کو ایک مربوط اور منظّم کل کے طور پر کبھی نہ دیکھا ہو تو شاید بعض ٹکڑوں کے باہمی ربط کو سمجھ جائے لیکن بہت سے ٹکڑے ایسے ہوں گے جن کو وہ بے معنی اور بے ربط سمجھنے پر مجبور ہو گا حالانکہ ان میں سے کوئی ٹکڑا بھی ایسا نہ ہو گا جو اس ٹوٹ پھوٹ جانے والی خوبصورت عمارت کے کسی نہ کسی کونہ میں اپنی جگہ نہ رکھتا ہو۔ اقبال کے فلسفہ کا حال بھی ایسا ہی ہے اس کے تمام تصورات اس کے اندر اپنا عقلی ربط اور ضبط رکھتے ہیں لیکن

موجودہ صورت میں بکھرے ہوئے پڑے ہیں۔ ہم اقبال کے فلسفہ میں تضاد کا شبہ صرف اسی موقع پر کر سکتے ہیں جہاں ہم اس کے کسی تصور کو اس حد تک نہ سمجھ سکیں کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس کے بنیادی یا مرکزی تصور خودی کے ساتھ اس کا عقلی اور علمی ربط کیا ہے اور لہٰذا اس کے پورے فلسفہ میں اس کا مقام یا محل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اقبال کے اوسط درجہ کے مطالعہ کرنے والے کے پاس اقبال کا فلسفہ منظّم صورت میں موجود نہ ہوگا تو دورانِ مطالعہ میں اس کے لیے بار ہا اس قسم کے مواقع کا پیش آنا ضروری ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کے فلسفہ کو منظّم اور مربوط شکل میں پیش کرنا اقبال کی تشریح اور تفہیم کے لیے کس قدر ضروری ہے۔

حکمت کی نوعیت اور ضرورت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود فکر یا حکمت کی نوعیت کیا ہے اور ہمیں اس کی ضرورت کیا ہے؟ اور پھر اقبال کا فکر ایک نظامِ حکمت کی صورت میں کیوں ہے؟ اقبال نے ایک ہی حقیقت پر اپنے افکار کی بنیاد کیوں رکھی ہے؟ کیا اقبال کا یہ طرزِ عمل ضروری تھا یا محض اتفاقی ہے اور خود اقبال کے فکر کی اہمیت کیا ہے کہ اس کی تنظیم اور تشریح اور تفہیم ضروری سمجھی جائے۔ ہم شاید اس سوال کو نظر انداز کر دیتے لیکن حکمت اقبال کی منظّم تشریح کے لیے اس سوال کا اٹھانا اور اس کا جواب دینا ضروری ہے۔

جب سے انسان نے ہوش سنبھالا ہے وہ برابر اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ جس کائنات میں وہ آ نکلا ہے اس کی حقیقت معلوم کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس کائنات کی حقیقت معلوم نہ ہوگی وہ جان نہیں سکتا کہ خود اس کی حقیقت کیا ہے اور کائنات کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے۔ کائنات کی حقیقت سے اسے اپنی حقیقت کا سراغ ملتا ہے کیونکہ وہ خود بھی کائنات کا ایک اہم جزو ہے اور اپنی حقیقت وہ اس لیے جاننا چاہتا ہے کہ تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اسے اپنی عملی زندگی کا استعمال کس طرح کرنا چاہیے اور اس زندگی کا اصل مقصد کیا ہے اور وہ اپنی عملی زندگی کی تشکیل اور تعمیر کس طرح سے کرے کہ اس سے اپنے لیے اسی دنیا میں یا اگلی دنیا میں (اگر وہ بھی ہو تو) بہترین قسم کے نتائج اور ثمرات حاصل کر سکے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ کائنات کے متعلق ہر قسم کے تسلی بخش سوالات کا جواب حاصل کر لے گا تو اسی جواب میں اسے اپنے متعلق ہر

قسم کے ممکن سوالات کا تسلی بخش جواب بھی مل جائے گا اور پھر وہ اس جواب کی روشنی میں اپنے تمام مسائل کا صحیح حل معلوم کر سکے گا اور اپنی زندگی کا استعمال صحیح طریقے سے کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی حقیقت کا جو تصور بھی وہ قائم کرتا ہے وہ اپنی عملی زندگی کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کے مطابق بناتا ہے گویا اس کے لیے حقیقت کی تلاش نہ تو کوئی تفریح مشغلہ ہے اور نہ ہی کوئی علمی یا نظری مسئلہ بلکہ ایک شدید عملی ضرورت ہے جس کی اچھی یا بری تشفی اس کی روزمرہ زندگی کے تمام حالات اور اس کی تمام چھوٹی اور بڑی تفصیلات کو معین کرتی ہے۔ بدنی ضروریات کی تشفی کو تو ہم ایک عرصہ تک التوا میں بھی ڈال سکتے ہیں لیکن اگر ہم اس ذہنی اور عملی ضرورت کو ایک لمحہ کے لیے بھی ملتوی کر دیں تو ہمارا دماغی توازن بگڑنے لگتا ہے اور ہم جنون، ہسٹریا، خوف، غم، پریشانی ایسے ذہنی امراض کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ حکمت اقبال کی اہمیت اسی بنا پر ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا یہ وہی حکمت ہے جو انسان کی ذہنی اور عملی ضروریات کو پورا کرتی ہے یا نہیں۔

حکمت کی عمومیّت

یہ کہنا غلط ہے کہ حقیقت کائنات کے تصورات یا نظریات حکماء یا فلاسفہ سے مخصوص ہوتے ہیں۔ دراصل انسان کی فطرت اس طرح سے بنی ہے کہ آج تک کوئی تندرست فرد عالم یا جاہل ایسا نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوسکتا ہے جو حقیقت کائنات کا کوئی اچھا یا برا، صحیح یا غلط، مختصر یا مفصل، منظّم یا غیر منظّم، عالمانہ یا جاہلانہ تصور نہ رکھے اور اپنی ساری زندگی کو اس کے مطابق نہ بنائے۔ حکماء یا فلاسفہ صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اور لوگوں کی نسبت زیادہ ذہین اور زیادہ باریک بین ہوتے ہیں اور اپنے ذوق اور اپنی افتادِ طبیعت کے لحاظ سے حقیقت کائنات کے مسئلہ پر غور و خوض کرتے ہیں اور اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے زیادہ موزوں اور مستعد ہوتے ہیں۔ جس سے بعض افراد عام لوگوں کے لیے غلہ پیدا کرنے یا کپڑا بننے یا اور بدنی ضروریات کی چیزیں تیار کرنے میں لگے رہتے ہیں اسی طرح سے نوعِ بشر کے حکماء اور فلاسفہ عام لوگوں کی سب سے بڑی ضرورت کی چیز یعنی حقیقت کائنات کا صحیح تصور جو ہماری ذہنی اور روحانی سطح کی ضروریات سے تعلق رکھتا ہے، بہم پہنچانے میں لگے رہتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ حقیقت کائنات کے متعلق خود ان کا اور دوسرے لوگوں کا تصور زیادہ سے زیادہ صحیح ہو، تاکہ وہ

خود اور دوسرے لوگ اپنی عملی زندگی کو زیادہ سے زیادہ صحیح بنا سکیں۔ لیکن حقیقت کائنات کے تصور کی ضرورت ہر انسان کے لیے اس قدر شدید اور فوری اور نا قابل التوا ہوتی ہے کہ لوگ کبھی فلسفیوں اور حکیموں کی تحقیق اور تجسّس کے ایسے نتائج کا انتظار نہیں کرتے جو آئندہ کسی وقت دستیاب ہونے والے ہوں بلکہ جو نظریات پہلے ہی موجود ہوتے ہیں ان میں سے کوئی نظریہ قبول کر کے اس پر عمل درآمد شروع کر دیتے ہیں اور وہی نظریہ اپنی اولادوں کو وراثت میں سونپ جاتے ہیں لیکن اگر بعد میں آنے والی نسلیں کسی اور نظریہ سے جو کسی اور حکیم یا فلسفی نے پیش کیا ہو متاثر ہو جائیں تو اپنے نظریہ کو بدل لیتی ہیں اور پھر ان کی ساری انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے مطابق بدل جاتی ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے انقلابات اسی طرح داناؤں، فلسفیوں اور حکیموں کے نظریات سے پیدا ہوتے ہیں۔

وحدتِ کائنات

حکماء اور فلاسفہ ہر دور میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے جو بعد میں آتے ہیں اپنے متقدمین کے فکر کی غلطیاں نکالنے اور درست کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے اختلافات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اگرچہ فلسفیوں اور حکیموں کا پورا گروہ ابھی تک حقیقت کائنات کا صحیح تصور پیش کرنے سے قاصر رہا ہے تاہم جب سے اس گروہ نے حقیقت کائنات پر غور وخوض کرنا شروع کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک ایک پراسرار وجدانی شہادت کی بنا پر اس بات کا پختہ یقین ان پر غالب رہا ہے کہ کائنات ایک یکساں کل یا وحدت ہے یعنی وہ فاصلہ اور وقت دونوں کے اعتبار سے ایسے منطقوں یا حصوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں متضاد قسم کے قوانین قدرت جاری ہوں۔ کائنات کے قوانین مسلسل اور مستقل ہیں۔ وہ نہ صرف ہر جگہ پر ایک ہی رہتے ہیں بلکہ ہر زمانہ میں بھی ایک ہی رہتے ہیں۔ وحدت کا عالم یہ وجدانی اعتقاد تمام بڑے بڑے حکیموں، فلسفیوں اور سائنس دانوں کے فکر میں خواہ وہ تصوریت پرست ہوں یا مادیت پرست ایک قدر مشترک کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ کوئی بڑا فلسفی یا سائنس دان اس کی صحت کی دلیل طلب نہیں کرتا بلکہ آغاز ہی سے اسے اپنے مسلمات میں شمار کرتا ہے تاہم اس کی صحت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ آج تک غلط ثابت نہیں ہو سکا۔ سائنس اور فلسفہ کی تمام ترقیات جواب تک

وجود میں آئی ہیں ان کی بنیاد یہی حقیقت ہے اور وہ سب مل کر اس کی صحت کی شہادت دیتی ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ اگر جویانِ حق وصداقت اور طالبانِ علم وحقیقت اس عقیدہ سے آغاز نہ کرتے اور یہ عقیدہ صحیح نہ ہوتا کہ کائنات ایک وحدت ہے اور اس کی تعمیر کے اندر ایک تسلسل موجود ہے جو کہیں نہیں ٹوٹتا تو سائنس اور فلسفہ دونوں ممکن نہ ہوتے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو سائنس دان اور فلسفی دونوں کو اپنے اپنے دائرہ میں علمی تحقیق کے لیے اُکساتا ہے اور اسی کی تصدیق سے وہ اپنی علمی تحقیق کے نتائج پر مطمئن ہوتے اور اس کی راہ پر قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر فلسفی یا سائنس دان کو معلوم ہو جائے کہ جو علمی حقیقت اس نے دریافت کی ہے وہ محض وقتی اور مقامی ہے اور اس کی متبادل یا متوازی علمی حقیقتیں اس کائنات میں اور بہت سی ہیں یا آئندہ ہوسکتی ہیں (مثلاً یہ کہ پانی ایک ہی مقام پر کبھی ایک درجہ حرارت پر ابلتا ہے اور کبھی دوسرے پر، یا سطح سمندر سے ایک ہی بلندی پر کہیں ایک درجہ حرارت پر ابلتا ہے کہیں دوسرے پر) تو وہ اپنی تحقیق کے اس نتیجہ کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دے گا۔ مذہبی رجحان رکھنے والے ایک انسان کے لیے تو وحدتِ عالم کا نتیجہ ناگزیر ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ کائنات کا خالق ایک ہی ہے اور اسی کا مقصد پوری کائنات میں کارفرما ہے۔ اسی طرح سے ایک تصوریت پرست فلسفی کا حکیمانہ زاویۂ نگاہ بھی اس عقیدہ کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ بات فطرتِ انسانی کے نہایت ہی اہم سربستہ رموز کو منکشف کرنے والی ہے جو کارل مارکس اور اس جیسے دوسرے حکمائے مارکسین بھی اس عقیدہ سے پہلوتہی نہیں کرسکے۔

وحدتِ کائنات کے مضمرات

وحدتِ کائنات کا مسلّمہ ہمیں کئی نتائج کی طرف راہ نمائی کرتا ہے:

اوّل: کسی کثرت کے اندر وحدت کا ہونا نظم کے بغیر ممکن نہیں اور نظم ایک مرکزی اصول کے بغیر محال ہے۔ لہٰذا کوئی تصور ایسا ہونا چاہیے کہ جو کائنات کی وحدت کا اصول ہو جو ایک ایسے رشتہ کی طرح ہو جو کائنات کی کثرت کو پرو کر ایک وحدت بناتا ہو۔

دوم: کائنات کی وحدت کے اصول کو کائنات کی آخری اور بنیادی حقیقت ہونا چاہیے اور باقی تمام حقائق عالم کو اس کے مظاہر۔ کیونکہ اگر وہ اس حقیقت کے مظاہر نہ ہوں تو وہ ان میں اتحاد اور نظم پیدا نہیں کرسکتی اور نہ ہی وہ حقائق اپنی فطرت کے اختلافات کی وجہ سے اس

قابل رہتے ہیں کہ ان میں اِتحاد اور نظم پیدا کیا جا سکے۔

سوم: کائنات کی وحدت بطور وحدت کے عقلی طور پر سمجھ میں آنی چاہیے لہٰذا ضروری ہے کہ تمام حقائق عالم کائنات کی بنیادی حقیقت کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ عقلی طور پر وابستہ ہوں اور اس باہمی وابستگی کے سبب سے ایک ایسی زنجیر کی صورت اختیار کریں جس کا پہلا اور آخری حلقہ کائنات کی وہی بنیادی حقیقت ہو اور جس کے تمام حلقے ایسے ہوں کہ ہر حلقہ اگلے حلقے کی طرف راہ نمائی کر رہا ہو۔ حکما حقائق عالم کی ایسی ہی زنجیر کو نظام حکمت (Philosophical System) کا نام دیتے ہیں۔

چہارم: اگر ہم حقائق عالم میں سے کسی حقیقت کی علت بیان کریں تو وہ علت اس حقیقت کی تشریح تو کر دیتی ہے لیکن خود کئی سوالات پیدا کر دیتی ہے اور پھر ان سوالات کا جواب اور سوالات پیدا کرتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر کائنات کو ایک وحدت مانا جائے تو ضروری ہے کہ ان پے در پے پیدا ہونے والے سوالات کا آخری جواب اور ہر حقیقت کی آخری تشریح کائنات کی وہی حقیقت ہو جو حقیقت الحقائق ہے۔

پنجم: اصول وحدت کائنات یا حقیقت کائنات کے ہزاروں تصورات ممکن ہیں لیکن ان میں صحیح تصور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، دو یا دو سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو کائنات کی وحدت ختم ہو جاتی ہے اور ضروری ہے کہ کائنات کے تمام صحیح اور سچے حقائق صرف اسی ایک تصور کے ساتھ علمی اور عقلی مطابقت رکھتے ہوں اور کسی دوسرے غلط تصور کے ساتھ مطابقت نہ کر سکیں اور جب کائنات کا صحیح نظام حکمت وجود میں آئے تو اس کا مرکزی اور بنیادی نقطہ یہی تصورِ حقیقت ہو۔ اگر کوئی ایک سچی حقیقت بھی ایسی ہو جو کسی نظام حکمت کے ساتھ مطابقت نہ رکھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نظام حکمت کسی غلط تصورِ حقیقت پر مبنی ہے اور اگر کوئی علمی حقیقت، جسے علمی حقیقت سمجھا جا رہا ہے، کسی صحیح نظام حکمت کے ساتھ، جو صحیح تصور حقیقت پر مبنی نہ ہو، مطابقت نہ رکھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ علمی حقیقت علم کے معروف اور مسلم معیاروں پر پوری نہ اتر سکے گی۔ غلط تصورات صحیح نظام حکمت کے اندر نہیں سما سکتے اور صحیح تصورات غلط نظام حکمت کے اندر داخل ہو کر اپنی اصلی حالت پر نہیں

رہتے۔ لیکن صحیح نظام حکمت ہر دور میں تمام صحیح تصورات کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی اس کی صحت کا قابل اعتماد معیار ہوتا ہے۔

ششم: وحدت کائنات کا مطلب یہ ہے کہ حقائق عالم ایک عقلی ترتیب اور تنظیم اختیار کر سکتے ہیں۔ حقائق عالم کی عقلی ترتیب اور تنظیم ہمارے معلوم اور نا معلوم حقائق کے درمیان ایک رابطہ یا کشش پیدا کرتی ہے اور ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم معلوم حقائق کی مدد سے نا معلوم حقائق کو پیہم دریافت کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ حقائق عالم کے سلسلہ کی ساری کڑیاں اپنی اصلی عقلی ترتیب کے ساتھ ہمارے احاطہ علم میں آجائیں۔ سائنس دان اور فلسفی دونوں اس کام کو انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی کوششوں سے معلوم حقائق کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے جوں جوں ان کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی صحیح اور سچے تصور حقیقت کے ساتھ ان کے مجموعے کی علمی اور عقلی مناسبت بڑھتی چلی جائے گی اور ہر غلط تصور حقیقت سے ساتھ کم ہوتی جائے گی اور ہم اپنے وجدان کی شہادت کی بنا پر زیادہ آسانی کے ساتھ بتا سکیں گے کہ حقیقت کائنات کا کون سا تصور ایسا ہے جو ان حقائق کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور کون سا ایسا ہے جو مناسبت نہیں رکھتا اور اس طرح سے ہم صحیح تصور حقیقت اور اس پر قائم ہونے والے صحیح نظام حکمت کے قریب آتے جائیں گے۔

ہفتم: صحیح نظام حکمت جب وجود میں آئے گا تو ابتدا میں لازماً مختصر ہوگا اور پھر جوں جوں معلوم حقائق کی تعداد بڑھتی جائے گی اور وہ اس کے اندر سماتے جائیں گے تو وہ کامل سے کامل تر ہوتا جائے گا اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا کیونکہ حقائق علمی کی کوئی حد نہیں نئے دریافت ہونے والے علمی حقائق کی تائید اور توثیق کی وجہ سے یہ نظام حکمت روز بروز مفصل اور منظّم اور معقول ہوتا جائے گا اور اسی نسبت سے غلط نظام ہائے حکمت دن بدن اپنی معقولیت کھوتے جائیں گے حتیٰ کہ دنیا بھر میں یہ تسلیم کرلیا جائے گا کہ یہی نظام حکمت ہے جو ہر لحاظ سے درست اور تسلی بخش ہے اس نظام حکمت کے وجود میں آنے کے بعد ہر علمی ترقی خواہ وہ کسی شعبہ تعلیم سے تعلق رکھتی ہو یا تو اس کی تائید کرے گی یا پھر وہ کوئی علمی ترقی ثابت نہ ہوگی۔

وحدتِ کائنات کے اعتقاد کا سرچشمہ

وحدتِ کائنات پر انسان کے غیر شعوری وجدانی اعتقاد کا سرچشمہ دراصل اس کی فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ کائنات کا کوئی ایسا خالق مانے جو ایک ہی ہو اور انسان کی فطرت کا یہ تقاضا بے معنی نہیں۔ فطرتی تقاضوں کو پوری طرح سے مطمئن کرنے کا سامان قدرت کے اندر پہلے ہی موجود ہوتا ہے چونکہ کائنات سائنس دانوں اور فلسفیوں کی آج تک کی تحقیق سے ایک وحدت ثابت ہوئی ہے لہٰذا اس کے اندر کوئی اصول کارفرما ہے جو اس کو ایک وحدت بناتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ اصول خدا ہے جو کائنات کا خالق ہے اور جو ایک ہی ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ قرآن حکیم نے کائنات کی وحدت کی طرف پرزور الفاظ میں توجہ دلائی ہے اور اس کو اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے کہ کائنات کا خالق ایک ہی ہے

مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ O ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيۡرٌ O (03-04:67)

آپ خدا کی تخلیق میں کہیں کوئی ناہمواری نہ دیکھیں گے۔ ذرا نظر دوڑایئے (اور کائنات کا مشاہدہ کیجیے) کیا آپ کو خدا کی اس تخلیق میں کہیں کوئی بے ربطی نظر آتی ہے۔ پھر دوبارہ نظر دوڑایئے اور دیکھئے نگاہیں اس بات سے ناکام ہو کر آپ کی طرف لوٹیں گی کہ خدا کی تخلیق میں کہیں کوئی ناہمواری پاسکیں۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ (04:46)

اے پیغمبرؐ (ان لوگوں سے) کہیے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر کس سے حاجتیں طلب کرتے ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ہی کوئی ان کا حصہ ہے؟

یعنی اگر کائنات کی تخلیق میں خدا کے ساتھ کوئی اور شریک ہوتا تو زمین و آسمان میں کہیں تو اس کی اپنی تخلیق کا نشان ملتا جہاں جداقسم کے قوانین قدرت نافذ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ منکرین قرآن حکیم

کے اس سوال کے جواب میں اسی کائنات کا ایک حصہ پیش کر کے معقولیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ صاحب! یہ ہے کائنات کا وہ حصہ جو خدا کے اس شریک نے پیدا کیا ہے جسے ہم مانتے ہیں کیونکہ جب کائنات کے اس حصہ میں بھی قوانین قدرت وہی ہوں جو باقی کائنات میں ہیں تو کس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا خالق وہی نہیں جو باقی کائنات کا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ وحدت کائنات کی حقیقت کو وحدت خالق کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

اگر زمین میں اللہ کے سوائے اور بھی خدا ہوتے تو دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں بدنظمی رونما ہوتی۔

یعنی چونکہ زمین اور آسمان میں کہیں بھی دو عملی، بدنظمی یا تضاد موجود نہیں اور تم اس بدنظمی کا تصور بھی نہیں کر سکتے بلکہ وحدت کائنات اور تسلسل قوانین قدرت کو خود بخود اپنے مسلمات میں شمار کرتے ہو تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ کائنات کا خالق بھی ایک ہی ہے چونکہ قوانین قدرت کے تسلسل کا مسلمہ وحدت کائنات کی دلیل ہے اور وحدت کائنات خالق کی دلیل ہے اور چونکہ قرآن حکیم چاہتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو قوانین قدرت کے مطابق بنائے لہٰذا انسان کو یقین دلانے کے لیے کہ یہ قوانین قابل اعتماد ہیں قرآن حکیم بار بار ان کے تسلسل اور استقلال کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

(اے پیغمبر) آپ خدا کے قوانین میں کہیں اور کبھی کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا

اور آپ خدا کے قوانین میں کہیں اور کبھی کوئی تغیر نہ پائیں گے۔

دوسرے فلسفیوں کی طرح اقبال بھی کائنات کو اس کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کے باوجود ایک وحدت قرار دیتا ہے۔

؎ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ، قصہ جدید و قدیم

یہی وجہ ہے کہ اقبال کا فلسفہ دوسرے فلسفیوں کی طرح ایک نظام حکمت ہے لیکن اقبال میں اور دوسرے فلسفیوں میں یہ فرق ہے کہ اقبال کے نزدیک جیسا کہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے، کائنات کی وحدت کا اصول یا حقیقت کائنات جو کائنات کی کثرت کو وحدت میں تبدیل کرتی ہے حق تعالیٰ کا وجود ہے ان صفات کے ساتھ جو خاتم الانبیاء ﷺ کی تعلیم میں اس کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور دوسرے فلسفیوں میں سے ہر ایک حقیقت کائنات کا جو تصور قائم کیے ہوئے ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ خدا کی فطرت وہ اصول ہے جو پوری کائنات کو متحد کرتا ہے۔ لہٰذا خدا کے عاشق کے دل میں پوری کائنات سما جاتی ہے۔ انسانی اَنا ایک ہے لیکن اس کے خارجی اثرات بہت سے ہوتے ہیں، وہ مخفی ہے لیکن اس کے افعال آشکار ہوتے ہیں بالکل اسی طرح سے ذات حق ایک ہے لیکن کائنات کی کثرت میں اس کا ظہور ہوا ہے پھر وہ مخفی ہے لیکن کائنات کی تخلیق نے اسے آشکار بنا دیا ہے گویا انسانی اَنا کی فطرت خدا کی فطرت کی طرف راہ نمائی کرنے والی ہے۔

ایں پستی و بالائی ایں گنبد مینائی
گنجد بدل عاشق با ایں ہمہ پنہائی
اسرار ازل جوئی بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری پنہانی و پیدائی

(اقبال)

آرزوئے حسن اور علم کا باہمی تعلق

اوپر میں نے ایک اصطلاح ''علمی حقیقت'' استعمال کی ہے اس اصطلاح کا مفہوم واضح کرنے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ علمی حقیقت کیا ہے، اس کے حصول کے لیے خدا نے ہمیں کون سی استعداد بخشی ہے اور وہ کس طرح سے اپنا کام کرتی ہے، یہ بتانا ضروری ہے کہ نہ صرف پوری کائنات ایک وحدت ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز جسے ہم جانتے ہیں یا جان سکتے ہیں ایک وحدت ہے یا کم از کم ہم اُسے ایک وحدت کی حیثیت سے ہی جان سکتے ہیں اور کسی حیثیت سے نہیں جان سکتے۔ اگر وہ ایک وحدت نہ بن سکے تو ہم اُسے جان ہی نہیں سکتے اور وہ ہمارے لیے قطعاً بے معنی ہو جاتی ہے۔ ایک وحدت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ معنی خیز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اُسے

جان سکتے ہیں۔ اگر وہ معنی خیز نہ ہوتو نہ وہ ایک وحدت بن سکتی ہے اور نہ ہی ہم اُسے جان سکتے ہیں۔ کئی چھوٹی چھوٹی وحدتیں مل کر ایک بڑی وحدت بناتی ہیں اور پھر کئی بڑی بڑی وحدتیں مل کر اس سے بھی بڑی وحدت بناتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم سب سے بڑی وحدت یعنی پوری کائنات پر پہنچ جاتے ہیں کوئی بڑی وحدت چند چھوٹی وحدتوں کا ایک مجموعہ ہی نہیں ہوتی بلکہ ایک کل (WHOLE) کی صورت میں ہوتی ہے جو ہمیشہ اپنے اجزا یا عناصر سے بڑھ کر ہوتا ہے اور جس کی تشریح یا تفہیم فقط اس کے اجزا یا عناصر سے نہیں ہوسکتی جیسے ایک جسم حیوانی کہ وہ فقط چند اعضا کے مجموعے کا نام نہیں یا جیسا کہ ایک خوبصورت شاہکار ہنر جس کی دلکشی اس کے اجزا پر نہیں بلکہ ایک مجموعی کیفیت پر موقوف ہوتی ہے جو اجزا کی ترکیب کا ایک پُراسرار نتیجہ ہوتا ہے۔ کسی وحدت کو جاننے کے لیے قدرت نے جو ہمیں استعداد بخشی ہے، وہ ہماری آرزوئے حسن ہے جسے اقبال عشق بھی کہتا ہے۔ آرزوئے حسن جب جاننے کے کام میں لگی ہوتی ہے تو اسے ہم عام طور پر وجدان (INTUITION) کا نام دیتے ہیں۔ کسی وحدت کا وجدان ایک احساس یا اعتقاد کی صورت میں ہوتا ہے ہمارا تمام علم فقط وجدانی تصورات یا اعتقادات کے ایک سلسلہ یا مجموعہ کی شکل اختیار کرتا ہے اور ہمارے علم کے درست یا غلط ہونے کا سارا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارے یہ اعتقادات درست ہیں یا غلط۔

حواس اور عقل دونوں آرزوئے حسن یا وجدان کے مددگار ہیں

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ہم حواس یا عقل کے ذرائع سے بھی جانتے ہیں اور اپنی علمی جستجو میں سائنس دان کا دارومدار زیادہ تر حواس پر ہوتا ہے اور فلسفی کا عقل پر، لیکن دراصل حواس اور عقل دونوں ہماری آرزوئے حسن یا ہمارے وجدان کے مددگار ہیں یہ خود نہ وحدتوں کو جانتے ہیں اور نہ جان سکتے ہیں بلکہ وجدان ان کی مدد سے وحدتوں کو جانتا ہے اس میں شک نہیں کہ وجدان غلطی بھی کرتا ہے لیکن غلطی کے بغیر جانتا بھی وہی ہے اسی لیے طالبانِ علم وصداقت کی حیثیت سے اور معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی حیثیت سے بھی وجدان کے بغیر ہمارا چارہ نہیں۔

اس وقت میں جس کمرہ میں ہوں وہاں کمرہ کے دوسرے سرے پر میرے سامنے دور سبز رنگ کی ایک دیوار کے ساتھ ایک کرسی پڑی ہے۔ لیکن یہ بات کہ وہ کرسی ہے میرا وجدانی نتیجہ

ہے جو ایک احساس یا اعتقاد کی صورت میں ہے۔ میرا مشاہدہ ہرگز نہیں میں کرسی کو نہیں دیکھ رہا بلکہ رنگ کی ایک کیفیت کو دیکھ رہا ہوں جو میرے وجدان یا اعتقاد کی دخل اندازی کے بغیر بے معنی ہوتی۔ اگر میں کہوں کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک کرسی ہے تو یہ بات قطعاً غلط ہوگی لیکن اگر میں کہوں کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کی بنا پر میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ وہ ایک کرسی ہے تو یہ بات صحیح ہوگی۔ میرا یہ نتیجہ کہ وہ ایک کرسی ہے غلط بھی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ایک کرسی نہ ہو بلکہ کرسی کے پیچھے کی سبز دیوار پر ایک ماہر نقاش کا بنایا ہوا نقش ہو۔ اگرچہ میں نے اس کل یا وحدت پر جسے میں ایک کرسی کہہ رہا ہوں اپنے وجدان یا اپنی آرزوئے حسن کو کام میں لاکر پورا غور وفکر کیا ہے اور اپنی عقل سے اس کی اندر کی چھوٹی چھوٹی وحدتوں کے باہمی تعلق کا پورا جائزہ لیا ہے اور میرا وجدان اس اعتقاد پر پہنچا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی وحدتیں مل کر جس بڑی وحدت کو بناتی ہیں وہ ایک کرسی ہی ہوسکتی ہے۔ ایک نقش نہیں ہوسکتی۔ تاہم غلطی کا امکان موجود ہے۔ میں پوری کرسی کو نہیں دیکھ رہا ہوں بلکہ صرف کرسی کے اوپر کی اس سطح کو دیکھ رہا ہوں جس کا رُخ میری طرف ہے اور دراصل میں اس سطح کو بھی نہیں دیکھ رہا بلکہ رنگ کی ایک بے معنی کیفیت کو دیکھ رہا ہوں۔ میرا یہ نتیجہ کہ رنگ کی یہ کیفیت کسی کرسی کی سطح کا ایک حصہ ہے اور پھر یہ نتیجہ کہ یہ کرسی کی سطح کا ایک حصہ ہی نہیں بلکہ پوری کرسی ہے فقط ایک اندرونی احساس یا اعتقاد ہے جسے پیدا کرنے کے لیے میرے مشاہدہ کی شہادت ناکافی ہے یہی وجہ ہے کہ گو ہمارے حواس اپنا پورا کام کررہے ہوتے ہیں ہم بار بار اپنے وجدان کی غلطیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں یہی حال ہمارے تمام حسی تجربات کا ہے خواہ ان کا ذریعہ دیکھنا ہو یا سننا یا چکھنا یا سونگھنا یا چھونا ان میں سے کوئی بھی میرے وجدان کے بغیر اور ایک وحدت کی صورت اختیار کیے بغیر وجود میں نہیں آسکتا۔ قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک سورج پرست ملکہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O (44:27)

اس (سورج پرست ملکہ) کو کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جایئے جب اس نے محل (کے فرش) کو دیکھا تو اسے گمان ہوا کہ وہ پانی ہے اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا سمیٹ لیا (تا کہ بھیگ نہ جائے) حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ محل تو شیشہ کا بنا ہوا ہے۔ اس پر ملکہ نے کہا اے میرے پروردگار میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی ہوں اور میں سلیمان کی طرح اللہ ربّ العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔

ربّ العالمین پر ایمان لانے کے لیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام پہلے ہی پہنچ چکا تھا ملکہ نے دیکھا کہ کوئی تعجب نہیں کہ جس طرح وہ شیشہ کو پانی سمجھ رہی تھی وہ اپنے معبود حقیقی کے بارے میں بھی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہو اور غلطی سے ہی سورج کو خدا سمجھ رہی ہو لہٰذا اس نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

اس قصہ کا ایک مقصد یہ بتانا ہے کہ نبوت انسان کی عملی زندگی کے لیے بنیادی اہمیت رکھنے والے حقائق کے بارہ میں انسان کو وجدان کی غلطیوں سے بچانے کے لیے قدرت کا ایک انتظام ہے۔

عقل کا وظیفہ

جسے ہم عقل کہتے ہیں اس کا کام فقط یہ ہے کہ وجدان جن وحدتوں کو قبول کر چکا ہوتا ہے وہ ان کے باہمی تعلق کا جائزہ لے تا کہ اس تعلق کی روشنی میں وجدان ایک اور بڑی نامعلوم وحدت کو معلوم کرے جو ان معلوم وحدتوں سے مطابقت رکھتی ہو اور جس کے عناصر یا اجزا یہ وحدتیں ہوں یا ایسی بہت سی چھوٹی چھوٹی نامعلوم وحدتوں کو معلوم کرے جو ایک بڑی معلوم وحدت کے اجزا اور عناصر کے طور پر ہوں۔ اوّل الذکر عمل کو ترکیب (SYNTHESIS) اور ثانی الذکر کو تجزیہ (ANALYSIS) کہا جاتا ہے۔ وحدتوں کا باہمی تعلق معلوم کرنے کے لیے عقل ایک وحدت سے دوسری وحدت کی طرف اور دوسری سے تیسری کی طرف اور تیسری سے چوتھی کی طرف جاتی ہے اور ان سب کے باہمی تعلق کو ٹٹولتی ہے۔ عقل کا کام صرف یہ ہے کہ کسی وحدت تک پہنچنے کے لیے ہمارے وجدان کو اُکسائے وہ فقط کسی وحدت کے اجزا کے تعلقات پر غور کرتی ہے۔ پوری وحدت کا احساس نہیں کر سکتی۔ وحدت کا احساس یا علم اس کا وظیفہ نہیں۔ جب ہمارا وجدان کسی

وحدت کے علم تک پہنچتا ہے تو اس سے بہت پہلے عقل اس سے رخصت ہو چکی ہوتی ہے اور ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ایسا ہوا ہے عقل وہ راستہ دکھاتی ہے کہ جو منزل کو جاتا ہے لیکن خود ہمارے ساتھ منزل پر نہیں پہنچتی۔ منزل پر پہنچنا تمنائے حسن کا کام ہے۔

؎ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

؎ خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے ، چراغ رہ گزر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے!

عقل گو منزلِ عشق سے دور نہیں رہتی لیکن اس منزل میں داخل نہیں ہو سکتی:

؎ عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی قسمت میں پر حضور نہیں

اگر یہ کہا جائے کہ آرزوئے حسن یا وجدان کے بغیر وحدتوں کے باہمی تعلقات کا جائزہ لینا مثلاً یہ بتانا کہ نو کا عدد چار سے بڑا ہے ممکن نہیں۔ لہٰذا کیوں نہ یہ کہا جائے کہ عقل آرزوئے حسن یا وجدان کی اس خاص حالت کا نام ہے جب وہ وحدتوں کے درمیان حرکت کر رہی ہوتی ہے تا کہ ان کی باہمی نسبتوں کو دریافت کرے تو اقبال اس سے بھی اختلاف نہیں کرتا اور مانتا ہے کہ عقل بھی عشق ہے اور ذوقِ حسن سے عاری نہیں لیکن وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ عقل کی فعلیت وحدتوں کے باہمی تعلقات کو ٹٹولنے کے لیے حرکت تک محدود رہتی ہے اس کی جرأت نہیں کہ ایک محبّ یا عاشق کی طرح کسی وحدت کی وحدت یا زیبائی یا حسن کا مشاہدہ یا مطالعہ کرنے کے لیے رک جائے اور حسن کے کسی جلوہ پر فدا ہو کر اپنی حرکت کو سکون میں بدل دے۔ چنانچہ اقبال کہتا ہے:

عقل ہم عشق است واز ذوقِ نگاہ بیگانہ نیست
لیکن ایں بے چارہ را آں جرأت رندانہ نیست

جونہی کہ ہم وجدان کے باہمی تعلقات کا جائزہ لینے کی بجائے کسی وحدت کا احساس

بطور وحدت کے کرنے لگ جائیں یا محسوس کرنے لگ جائیں کہ ہم کسی علم تک پہنچ گئے ہیں یا ہم نے کسی بات کو جان لیا ہے فوراً ہماری عقل کی فعلیت موقوف اور ہمارے وجدان کی فعلیت شروع ہو جاتی ہے۔

ایک مثال سے عقل اور وجدان کے باہمی تعلق کی وضاحت

عقل اور وجدان (یا آرزوئے حسن) کے باہمی تعلق پر غور کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کو فرض کیجیے جس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہو اور پھر اسے چھوڑ دیا گیا ہو کہ وہ ایک بڑے مکان میں جس سے وہ ایک حد تک آشنا ہے، ٹٹولتا ہوا ایک خاص کمرے کی طرف نکل جائے جب وہ اپنے ہاتھوں سے دیواروں، ستونوں، دروازوں، کھڑکیوں، سیڑھیوں اور راستوں کو ٹٹولتا جاتا ہے تو اس بات کا صحیح اور پورا تصور اپنے ذہن میں قائم کرتا جاتا ہے کہ وہ مکان کے کس حصہ میں پہنچا ہے اس کے ٹٹولتے ہوئے ہاتھ اِسے اپنے ماحول کا صرف ایک حصہ دکھاتے ہیں وہ حصہ جس سے وہ اندھیرے میں چھوتا ہے لیکن اسے مکمل راہ نمائی صرف اپنے تصور سے ملتی ہے جو مکان کی ہر حصہ کی جس میں وہ قدم رکھتا ہے کہ پوری تصویر اس کے سامنے پیش کرتا جاتا ہے۔ عقل (Reason) دراصل اس آدمی کے ٹٹولتے ہوئے ہاتھوں کی طرح ہے جو اس کے راستہ کے بعض نشانات کا پتہ دیتے ہیں اور وجدان (Intuition) اس کے تصور کی طرح ہے جو اندر سے اس کے ماحول کا پورا نقشہ اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے جس طرح اس پٹی باندھنے والے شخص کے راہ نما تصور کا باعث مکان سے اس کی سابقہ واقفیت ہے اسی طرح سے ہمارے وجدان کا باعث ہماری فطری آرزوئے حسن ہے۔ (جاری ہے)

برطانیہ ہندوستان سے
کل کتنی دولت لوٹ کے لے گیا؟

https://www.bbc.com/urdu/regional-45164919

برطانوی ادارے بی بی سی سے نشر شدہ معلومات

(مرسلہ : انجینئر عبداللّٰہ اسماعیل)

یورپی اقوام بالخصوص برطانیہ عظمیٰ نے 1750ء کے لگ بھگ تمام دنیا کے غیر متمدن علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا اور پھر سازشوں کے ذریعے باقی دنیا پر بھی اپنا اقتدار جمالیا۔ برٹرینڈ رسل (1872ء-1970ء) اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ برطانیہ کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا ہے اور جب میں جوان تھا ہر برطانوی سمجھتا تھا کہ برطانوی اقتدا دنیا میں کبھی ختم ہی نہیں ہوگا۔ ''تہذیبوں کا تصادم'' نامی کتاب کا مصنف Huntington لکھتا ہے کہ یہ عالمی قبضہ کسی اصول، نظریہ اور انسانی فلاح کے کسی پروگرام کے تحت نہیں تھا بلکہ ساری دنیا کے وسائل لوٹ کر یورپ پہنچانا مقصود تھا (امریکی مرد آہن صدر جارج واشنگٹن (1732ء-1799ء) نے اسی برطانوی لوٹ مار کے خلاف جہاد کر کے 1776ء میں برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کی تھی)۔ کہا جاسکتا ہے کہ تاج برطانیہ کے تمام KINGS اور QUEENS کے جوتوں کے تسموں سے لے کر تاج کے ہیروں تک (کوہِ نور ہیرا) یہ چیز اسی لوٹ مار کی بدولت میسر آئی ہے۔ مستقبل قریب بتائے گا کہ برطانوی ہند کی لوٹی ہوئی دولت کی واپسی کے لیے ہندو قوم برطانیہ کے گریبان پر ہاتھ ڈالتی ہے یا جنوبی ایشیا کے مسلمان۔ (ادارہ)

سرٹامس روشہنشاہ جہانگیر کے دربار میں

آج بادشاہ کی سالگرہ ہے اور مغل روایات کے مطابق انھیں تولا جانا ہے۔اس موقع پر برطانوی سفیر سرٹامس رو بھی دربار میں موجود ہیں۔تقریب پانی میں گھرے ایک چوکور چبوترے پر منعقد کی جارہی ہے۔ چبوترے کے بیچوں بیچ ایک دیوہیکل طلائی ورق منڈھی ترازو نصب ہے۔ ایک پلڑے میں کئی ریشمی تھیلے رکھے ہوئے ہیں، دوسرے میں خود چوتھے مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر احتیاط سے سوار ہوئے۔ بھاری لبادوں، تاج اور زر و جواہر سمیت شہنشاہ جہانگیر کا وزن تقریباً ڈھائی سو پاؤنڈ نکلا۔ایک پلڑے میں ظلِ الٰہی متمکن رہے، دوسرے میں رکھے ریشمی تھیلے باری باری تبدیل کیے جاتے رہے۔ پہلے مغل بادشاہ کو چاندی کے سکوں سے تولا گیا، جو فوراً ہی غریبوں میں تقسیم کر دیے گئے۔اس کے بعد سونے کی باری آئی، پھر جواہرات، بعد میں ریشم اور آخر میں دوسری بیش قیمت اجناس سے بادشاہ سلامت کے وزن کا تقابل کیا گیا۔

یہ وہ منظر ہے جو آج سے تقریباً ٹھیک چار سو سال قبل مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے دربار میں انگریز سفیر سرٹامس رو نے دیکھا اور اپنی ڈائری میں قلم بند کرلیا۔تاہم دولت کے اس خیرہ کن مظاہرے نے سرٹامس کو شک میں ڈال دیا کہ کیا بند تھیلے واقعی ہیرے جواہرات یا سونے سے بھرے ہوئے ہیں، کہیں ان میں پتھر تو نہیں؟

سوال یہ ہے کہ ایک دور دراز کے چھوٹے سے جزیرے پر مشتمل ملک کا سفیر اس وقت ہندوستان میں کیا کر رہا تھا؟ سرٹامس رو کی انتھک سفارتی جدوجہد سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سورت میں آزادانہ تجارت کا پروانہ مل گیا۔

انگلستان کے ساتھ معاہدہ 'شان کے خلاف'

دراصل سرٹامس ایک خاص مشن پر ہندوستان آئے تھے۔ان کی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح جہانگیر سے ایک معاہدے پر دستخط کروالیں جس کے تحت ایک چھوٹی سی برطانوی کمپنی کو ہندوستان میں تجارتی حقوق حاصل ہو جائیں۔لیکن جیسا کہ سرٹامس کی طویل ڈائری سے پتہ چلتا ہے، یہ کام اتنا آسان نہیں ثابت ہوا اور اس سلسلے میں محنتی انگریز سفیر کو سخت پاپڑ بیلنا پڑے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مغل شہنشاہ پوری دنیا میں صرف ایران کے صفوی بادشاہ اور عثمانی خلیفہ کو اپنا

مدِ مقابل سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں انگلستان ایک چھوٹا سا بے وقعت جزیرہ تھا، اس کے کسی معمولی بادشاہ کے ساتھ برابری کی سطح پر معاہدہ کرنا ان کی شان کے خلاف تھا۔

تاہم سر ٹامس نے ہمت نہیں ہاری، اور وہ تین سال کی ان تھک محنت، سفارتی داؤ پیچ اور تحفے تحائف دے کر جہانگیر سے تو نہیں، البتہ ولی عہد شاہجہان سے آج سے ٹھیک چار سو برس قبل اگست 1618ء میں ایک معاہدے پر دستخط کروانے میں کامیاب ہو گئے جس کے تحت اس کمپنی کو سورت میں کھل کر کاروبار کرنے کا اجازت مل گئی۔

اس کمپنی کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا اور یہ واقعہ اس کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مغل حکومت نے براہِ راست ایک یورپی ملک کے ساتھ باقاعدہ تجارتی معاہدہ کر کے اس کی ایک کمپنی کو مراعات دی تھیں اور یوں اسے ہندوستان میں قدم جمانے کا پروانہ مل گیا تھا۔ یہ کچھ ایسا ہی واقعہ تھا جیسے مشہور کہانی کے اونٹ کو بدو نے اپنے خیمے میں سر داخل کرنے کی اجازت دے دی تھی!

سر ٹامس رو کو جہانگیر کے ساتھ دوسرے پلڑے میں تلنے والی دولت پر یقین کرنے میں حیرت ہوئی تھی، لیکن ان کے طے کردہ معاہدے کے نتیجے میں برطانیہ اگلے ساڑھے تین سو برسوں میں ہندوستان سے جو دولت سمیٹ کر لے گیا، اس کے بارے میں ماہرینِ معاشیات نے کچھ تخمینے لگانے کی کوشش ضرور کی ہے۔ اس کا ذکر آگے چل کر آئے گا، پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی راج کے ہندوستان پر اقتدار کے دوسرے اثرات کیا مرتب ہوئے جو محض دولت لٹنے سے کہیں زیادہ بھیانک تھے۔

تاریخ کی چوتھی بدترین سفاکی

امریکی تاریخ دان میتھیو وائٹ نے 'داگریٹ بک آف ہاریبل تھنگز' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے تاریخ کی ایک سو بدترین سفاکیوں کا جائزہ پیش کیا ہے جن کے دوران سب سے زیادہ انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس کتاب میں تاریخ کی چوتھی بدترین سفاکی برطانوی دور میں ہندوستان میں آنے والے قحط ہیں جن میں وائٹ کے مطابق دو کروڑ 66 لاکھ ہندوستانیوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔ تاریخ دانوں کے مطابق ہندوستان میں انگریزوں کے

دور میں آنے والے پے در پے قحطوں کی وجہ حکومتی پالیسیاں تھیں۔ اس تعداد میں وائٹ نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران بنگال میں آنے والے قحط کو شمار نہیں کیا جس میں 30 سے 50 لاکھ کے قریب لوگ مارے گئے تھے۔ اگر اس قحط کو بھی شامل کر لیا جائے تو ایسٹ انڈیا کمپنی اور بعد میں برطانیہ کی براہِ راست حکومت کے دوران تین کروڑ کے قریب ہندوستانی قحط کے باعث جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہندوستان کا شمار دنیا کے سب سے زرخیز خطوں میں ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے، پھر اتنے لوگ کیوں بھوکوں مر گئے؟

وائٹ نے ان قحطوں کی وجہ 'تجارتی استحصال' (commercial exploitation) قرار دی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ہم صرف ایک قحط کا ذکر کرتے ہیں جو 1769ء میں بنگال ہی میں آیا تھا۔

نوبل انعام یافتہ ماہرِ معاشیات امرتیہ سین نے اس قحط میں ہونے والی اموات کی تعداد ایک کروڑ بتائی ہے۔ اس دور کا ایک منظر ایک انگریز ہی کی زبانی دیکھئے:

''دسیوں لاکھ لوگ چند بقیہ ہفتوں تک زندہ رہنے کی آس لیے مر گئے جو انھیں فصل تیار ہونے تک گزارنے تھے۔ ان کی آنکھیں ان فصلوں کو تکتی رہ گئیں جنھیں اس وقت پکنا تھا جب انھیں بہت دیر ہو جاتی''۔

شاندار فصل کے اندر ڈھانچے

فصلیں تو اپنے وقت پر تیار ہوئیں لیکن اس وقت تک واقعی بہت دیر ہو چکی تھی۔ 1769ء کی یہی کہانی پونے دو سو سال بعد ایک بار پھر مشرقی بنگال میں دہرائی گئی۔ ٹائمز آف انڈیا اخبار کا 16 نومبر 1943ء کا تراشہ:

''مشرقی بنگال میں ایک ہولناک مگر عام منظر یہ تھا کہ نصف صدی کی سب سے شاندار فصل کے دوران پڑا ہوا گلا سڑا کوئی انسانی ڈھانچہ نظر آ جاتا تھا''۔

ساحر لدھیانوی نے اس قحط پر نظم لکھی تھی، جس کے دو شعر:

پچاس لاکھ فسردہ، گلے سڑے ڈھانچے — نظامِ زر کے خِلاف احتجاج کرتے ہیں
خموش ہونٹوں سے، دم توڑتی نگاہوں سے — بشر بشر کے خلاف احتجاج کرتے ہیں

قحط تو قدرتی آفات کے زمرے میں آتے ہیں۔اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کیا قصور؟ مشہور فلسفی ول ڈیورانٹ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں آنے والے خوفناک قحطوں کی بنیادی وجہ اس قدر بے رحمانہ استحصال، اجناس کی غیر متوازن درآمد اور عین قحط کے دوران ظالمانہ طریقوں سے مہنگے ٹیکسوں کی وصولی تھی کہ بھوک سے ہلاک ہوتے کسان انھیں ادا نہیں کر سکتے تھے۔حکومت مرتے ہوئے لوگوں سے بھی ٹیکس وصول کرنے پر تلی رہتی تھی''۔

ایک چھوٹی سی کمپنی اتنی طاقتور کیسے ہوگئی کہ ہزاروں میل دور کسی ملک میں کروڑوں لوگ کی زندگیوں اور موت پر قادر ہو جائے؟ اس کے لیے ہمیں تاریخ کے چند مزید صفحے پلٹنا ہوں گے۔

1498ء میں پرتگیزی مہم جو واسکوڈے گاما نے افریقہ کے جنوبی کونے سے راستہ ڈھونڈ کر ہندوستان کو سمندری راستے کے ذریعے یورپ سے منسلک کر دیا تھا۔آنے والے عشروں کے دوران دھونس، دھمکی اور دنگا فساد کے حربے استعمال کر کے پرتگیزی بحرِ ہند کی تمام تر تجارت پر قابض ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پرتگال کی قسمت کا سورج نصف آسمان پر جگمگانے لگا۔

پرتگیزی مہم جو کالی کٹ کے راجہ کے دربار میں۔اس نے ہندوستان کا سمندری راستہ دریافت کر کے یورپ اور ایشیا کو منسلک کر دیا۔ان کی دیکھا دیکھی ولندیزی بھی اپنے توپ بردار بحری جہاز لے کے بحرِ ہند میں آ دھمکے اور دونوں ملکوں کے درمیان جو تم پیزار ہونے لگی۔

انگلستان یہ سارا کھیل بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، بھلا وہ اس دوڑ میں کیوں پیچھے رہ جاتا؟ چنانچہ ملکہ الزبیتھ نے ان دو ملکوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دسمبر 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کروا کر اسے ایشیا کے ملکوں کے ساتھ بلا شرکتِ غیرے تجارت کا اجازت نامہ جاری کر دیا۔

لیکن انگریزوں نے ایک کام کیا جو ان سے پہلے آنے والے دو یورپی ملکوں سے نہیں ہوسکتا تھا۔انھوں نے صرف جنگ آمیز تجارت پر ساری توانائیاں صرف نہیں کیں بلکہ سفارت کاری پر بھی بھرپور توجہ دی۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ٹامس رو جیسے منجھے ہوئے سفارت کار کو ہندوستان بھیجا تا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے بند دروازے کھول دے۔

مغلوں کی طرف سے پروانہ ملنے کے بعد انگریزوں نے ہندوستان کے مختلف ساحلی

شہروں میں ایک کے بعد ایک تجارتی اڈے قائم کرنا شروع کر دیے جنھیں فیکٹریاں کہا جاتا تھا۔ ان فیکٹریوں سے انھوں نے مصالحہ جات، ریشم اور دوسری مصنوعات کی تجارت شروع کر دی جس میں انھیں زبردست فائدہ تو ہوتا رہا، لیکن جلد ہی معاملہ محض تجارت سے آگے بڑھ گیا۔

جوڑ توڑ

چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوسرے یورپی ملکوں سے اکثر جنگیں چلتی رہتی تھیں اور یہ ایک دوسرے کا مال لوٹنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، اس لیے انگریزوں نے اپنی فیکٹریوں میں بڑی تعداد میں مقامی سپاہی بھرتی کرنے شروع کر دیے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ یہ فیکٹریاں پھیل کر قلعوں اور چھاونیوں کی شکل اختیار کرنے لگیں۔

جب کمپنی کی فوجی اور مالی حالت مضبوط ہوئی تو اس کے اہلکار مقامی ریاستوں کے آپسی لڑائی جھگڑوں میں ملوث ہونے لگے۔ کسی راجے کو سپاہیوں کے دستے بھجوا دیے، کسی نواب کو اپنے حریف کو زیر کرنے کے لیے توپیں دے دیں، تو کسی کو سخت ضرورت کے وقت پیسہ ادھار دے دیا۔ اس جوڑ توڑ کے ذریعے انھوں نے رفتہ رفتہ اپنے پنجے ساحلی علاقوں سے دور تک پھیلا دیے۔

مسلسل پھیلاؤ کے اس سفر میں سب سے اہم موڑ 1757ء میں لڑی جانے والی جنگِ پلاسی ہے، جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک کلرک رابرٹ کلائیو کے تین ہزار سپاہیوں نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کی 50 ہزار فوج کو شکست دے دی۔

کیسے شکست دی، یہ کہانی مطالعہ پاکستان کی کتاب میں درج ہے، بس اس کہانی کا اخلاقی نتیجہ یاد رکھیے کہ جنگ کے بعد کلائیو نے سراج الدولہ کا صدیوں کا جمع کردہ خزانہ سمندری جہازوں میں لدوا کر بالکل اسی طرح لندن پہنچا دیا جس طرح 18 سال قبل نادر شاہ دہلی کی دولت دونوں ہاتھوں سے نچوڑ کر ایران لے گیا تھا۔

جنگِ پلاسی کے دوران رابرٹ کلائیو میر جعفر سے معاملات طے کرتے ہوئے

لیکن کلائیو نے تمام دولت شاہی خزانے میں جمع نہیں کروائی بلکہ اپنے لیے بھی کچھ حصہ رکھ لیا، جس کی مالیت آج کل کے حساب سے تین کروڑ ڈالر بنتی ہے۔ اس رقم سے اس نے

برطانیہ میں ایک شاندار محل بنوایا اور وسیع جاگیر خریدی جس کا نام 'پلاسی' رکھا۔ یہی نہیں، اس نے پیسہ دے کر نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنے باپ کے لیے بھی پارلیمان کی نشست خرید لی۔ بعد میں اسے سر کا خطاب بھی عطا کر دیا گیا۔

ہاتھ اتنا ہولا کیوں رکھا!

لیکن اسی دوران بنگال میں آنے والے خوفناک قحط اور اس کے نتیجے میں صوبے کی ایک تہائی آبادی کے فنا ہو جانے کی خبریں انگلستان پہنچنا شروع ہوگئی تھیں جن کا سبب لارڈ کلائیو کی پالیسیوں کو قرار دیا گیا۔

لاٹ صاحب پر انگلیاں اٹھنے لگیں، چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کرتے کرتے نوبت پارلیمان میں قرارداد پیش ہونے تک جا پہنچی۔ یہ قرارداد تو خیر منظور نہیں ہو سکی، کیوں کہ اس زمانے میں پارلیمان کے ایک چوتھائی کے لگ بھگ ارکان کے خود ایسٹ انڈیا کمپنی میں حصص تھے۔

بحث کے دوران کلائیو نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی وسیع و عریض دولت کے بارے میں کہا کہ 'میں تو خود سخت حیران ہوں کہ میں نے ہاتھ اس قدر 'ہولا' کیوں رکھا'! ورنہ وہ چاہتے تو اس سے کہیں زیادہ مال وزر سمیٹ کر لا سکتے تھے۔

تاہم ہندوستان میں برپا ہونے والی قیامت کے اثرات کسی نہ کسی حد تک کلائیو کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونے لگے اور اس نے بڑی مقدار میں افیم کھانا شروع کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ 1774ء میں اپنے کمرے میں پراسرار حالت میں مردہ پائے گئے۔ یہ معما تو آج تک حل نہیں ہو سکا کہ آیا کلائیو نے خودکشی کی تھی یا افیم کی زیادہ خوراک جان لیوا ثابت ہوئی۔ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کی ہندوستان میں حکمتِ عملی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی جس راستے پر چل نکلی وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے ضرور جان لیوا ثابت ہوئی۔

اس دوران مغل کچھ اپنی نااہلی اور کچھ بیرونی حملوں اور مرہٹوں کی چیرہ دستیوں کے باعث اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ وہ دور ہی دور سے انگریزوں کے رسوخ کو دن دگنا، رات چوگنا بڑھتے دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔ چنانچہ جنگِ پلاسی کے صرف نصف صدی بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی سپاہ کی تعداد ڈھائی لاکھ سے تجاوز کر گئی اور انھوں نے بنگال سے نکل کر ہندوستان کے

بڑے حصے پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔

مغل شہنشاہ کمپنی کا وظیفہ خوار

نوبت یہاں تک پہنچی کہ 1803ء کے آتے آتے دہلی کے تخت پر بیٹھا مغل شہنشاہ شاہ عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کا وظیفہ خوار بن کر رہ گیا۔ ایک زمانہ تھا کہ اسی شاہ عالم کے پرکھ جہانگیر کے آگے انگریز سفیر ٹامس رو گھٹنوں کے بل جھکتا تھا، اب یہ حالت تھی کہ اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک کلرک کو جھک کر پورے بنگال کا اختیار نامہ پیش کرنا پڑا۔

مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اہلکار لارڈ کلائیو کو بنگال کے جملہ حقوق کی دیوانی پیش کرتے ہوئے۔

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ سارا کام برطانوی حکومت نے نہیں، بلکہ ایک کمپنی نے کیا جس کا صرف ایک اصول تھا، ہر ممکن ہتھکنڈے استعمال کر کے اپنے حصہ داروں کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع کمانا۔ یہ کمپنی لندن کے ایک علاقے میں ایک چھوٹی سی عمارت سے کام کرتی تھی اور قیام کے ایک صدی بعد تک بھی اس کے مستقل ملازمین کی تعداد صرف 35 تھی۔ لیکن اس کے باوجود دنیا کی تاریخ میں کوئی کمپنی ایسی نہیں گزری جس کے پاس اس قدر طاقت ہو۔

اگر آپ کو شکایت ہے کہ آج کی ملٹی نیشنل کمپنیاں بہت طاقتور ہوگئی ہیں اور وہ ملکوں کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو رہی ہیں، تو اب ذرا تصور کیجیے کہ گوگل، فیس بک، ایپل، مائیکروسافٹ اور سام سنگ مل کر ایک کمپنی بن جائیں جس کے پاس اپنی جدید ترین ہتھیاروں سے لیس فوج ہو اور جو ملک ان کی مصنوعات خریدنے سے انکار کرے، یہ کمپنی اس پر چڑھ دوڑے۔

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا افیم کا گودام

افیم کیوں نہیں خریدتے؟

ایسٹ انڈیا کمپنی نے بالکل یہی کام چین کے ساتھ کیا۔ اوپر ہم نے لارڈ کلائیو کی افیم کے ہاتھوں موت کا ذکر کیا تھا۔ یہ افیم ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں اگاتی تھی لیکن ساری کی ساری اس کے عہدے دار نہیں کھا جاتے تھے بلکہ اس کا بڑا حصہ چین لے جا کر مہنگے داموں بیچا جاتا تھا۔ جب چینیوں کو احساس ہوا کہ یہ تو ہمارے ساتھ گھپلا ہو رہا ہے، تو انھوں نے مزید افیم خریدنے

سے معذرت کر لی۔

کمپنی اپنے منافع میں کمی کیسے برداشت کرتی۔ اس نے 1839ء میں چند توپ بردار جہاز چین بھیج کر چین کا دقیانوسی بحری بیڑا تہس نہس کر دیا۔ چینی شہنشاہ نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف افیم کی درآمد پر پابندی اٹھا دی بلکہ بطور جرمانہ ہانگ کانگ بھی برطانیہ کو ہبہ کر کے دے دیا جو 1997ء میں کہیں جا کر واپس چین کو ملا۔

جب چینیوں نے افیم خریدنے سے انکار کیا تو برطانوی جہاز 'نیمیسس' نے کینٹین کی بندرگاہ پر تباہی مچا دی۔

اس دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور ایک کے بعد ایک ریاست، ایک ایک بعد ایک راجواڑہ ان کی جھولی میں گرتا رہا۔ 1818ء انھوں نے مرہٹوں کو سلطنت ہتھیائی، اس کے بعد اگلے چند عشروں میں سکھوں کو شکست دے کر تمام مغربی ہندوستان یعنی آج کے پاکستان پر بھی قابض ہو گئی۔ اب درۂ خیبر سے لے کر برما اور ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں سے لے کر راس کماری تک ان کا راج تھا۔

اب اونٹ نے خیمے میں گھس کو بدو کو مکمل طور پر بیدخل کر دیا تھا۔

تاجِ برطانیہ کا سب سے درخشاں ہیرا

معاملات یوں ہی چلتے رہے، لیکن پھر بدقسمتی نے گھیرے ڈال دیے۔ 1857ء میں کمپنی کے اپنے ہی تنخواہ دار سپاہیوں نے بغاوت کر دی جس کے دوران بڑے پیمانے پر خون خرابہ ہوا۔ اس زمانے میں اخبار عام ہو گئے تھے۔ اس ساری گڑبڑ کی خبریں انگلستان تک پہنچیں۔

ہوتے ہوتے کمپنی کا تاثر برطانیہ میں اتنا خراب ہو گیا کہ بالآخر پارلیمان کو عوامی دباؤ کے زیرِ اثر کمپنی کو قومیانے کا فیصلہ کرنا پڑا اور ہندوستان براہِ راست برطانوی حکومت کی عملداری میں آ کر ملکہ وکٹوریہ کے 'تاج کا سب سے درخشاں ہیرا' بن گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پھر بھی چند سال گھسٹ گھسٹ کر زندگی گزارتی رہی، لیکن کب تک۔ آخر یکم جون 1874ء کو پونے تین سو سال کی طویل شان و شوکت کے بعد یہ کمپنی تحلیل ہو گئی۔

لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہیڈ کوارٹر، جسے گرا کر اس کی جگہ ایک بینک کی عمارت

کھڑی کر دی گئی ہے۔ کمپنی کی وفاتِ حسرت آیات پر اس زمانے میں ٹائمز اخبار نے جو نوٹ لکھا تھا وہ کمپنی کی تاریخ کی عمدہ ترجمانی کرتا ہے:

''اس (کمپنی) نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے وہ بنی نوعِ انسان کی تاریخ میں کسی اور تجارتی کمپنی کے حصے میں نہیں آ سکے۔ نہ ہی آئندہ آنے والے برسوں میں امکان ہے کہ کوئی اور کمپنی اس کی کوشش بھی کر پائے گی''۔

نہ کوئی جنازہ نہ کوئی مزار

ٹائمز کا قصیدہ اپنی جگہ، لیکن لگتا یہی ہے کہ شاید انگریزوں کو اپنی اس کمپنی کے 'کارہائے نمایاں' پر کچھ زیادہ فخر نہیں ہے۔ کیوں کہ آج لندن میں لیڈن ہال سٹریٹ پر جس جگہ کمپنی کا ہیڈکوارٹر تھا، وہاں ایک بینک کی چمچماتی عمارت کھڑی ہے، اور کہیں کوئی یادگار، کوئی مجسمہ، حتیٰ کہ کوئی تختی تک نصب نہیں ہے۔ نہ کوئی جنازہ اٹھا، نہ کہیں مزار بنا۔ کمپنی کی کوئی جسمانی یادگار ہو نہ ہو، اس نے جو کام کیے ان کے اثرات آج تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

شاید یہ بات بہت سے لوگوں کے لیے حیرت کا باعث ہو کہ اس کمپنی کے غلبے سے پہلے اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ہندوستان دنیا کا امیر ترین ملک تھا اور دنیا کی کل جی ڈی پی کا ایک چوتھائی حصہ پیدا کرتا تھا۔ جبکہ اسی دوران انگلستان کا حصہ صرف دو فیصد تھا۔

ہندوستان کی زمین زرخیز اور ہر طرح کے وسائل سے مالا مال تھی اور لوگ محنتی اور ہنرمند تھے۔ یہاں پیدا ہونے والے سوتی کپڑے اور ململ کی مانگ دنیا بھر میں تھی، جبکہ جہاز رانی اور سٹیل کی صنعت میں بھی ہندوستان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

دنیا کی مختلف معیشتوں کا جائزہ

یہ ساری صورتِ حال جنگِ پلاسی کے بعد بدل گئی اور جب 1947ء میں انگریز یہاں سے گئے تو سکندر کے برعکس ان کی جھولی بھری ہوئی اور ہندوستان کے ہاتھ خالی تھے۔

دنیا کا غریب ترین ملک

انڈیا کے سابق وزیرِ اعظم اور ماہرِ اقتصادیات من موہن سنگھ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطنتِ برطانیہ کے خلاف ہماری شکایات کی ٹھوس بنیاد موجود ہے۔۔ 1700ء میں انڈیا تنِ تنہا دنیا کی 22.6 فی صد دولت پیدا کرتا تھا، جو تمام یورپ کے مجموعی حصے کے تقریباً برابر تھی۔لیکن یہی حصہ 1952ء میں گر کر صرف 3.8 فیصد رہ گیا۔20ویں صدی کے آغاز پر 'تاجِ برطانیہ کا سب سے درخشاں ہیرا' درحقیقت فی کس آمدنی کے حساب سے دنیا کا غریب ترین ملک بن گیا تھا''۔

اب اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ انگریزوں کے دوسو سالہ استحصال نے ہندوستان کو کتنا نقصان پہنچایا۔

اس سلسلے میں مختلف لوگوں نے مختلف اندازے لگانے کی کوشش کی ہے۔ان میں سے زیادہ قرینِ قیاس ماہرِ معاشیات اور صحافی منہاز مرچنٹ کی تحقیق ہے۔ان کے مطابق 1757ء سے لے کر 1947ء تک انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستان کو پہنچنے والے مالی دھچکے کی کل رقم 2015ء کے زرمبادلہ کے حساب سے 30 کھرب ڈالر بنتی ہے۔

ذرا ایک منٹ رُک کر اس رقم کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں۔اس کے مقابلے پر نادر شاہ بے چارے کو دہلی سے صرف 143 ارب ڈالر لوٹنے ہی پر اکتفا کرنا پڑی تھی۔

چار سو سال پہلے جہانگیر کے دربار میں انگریز سفیر کو شک گزرا تھا کہ آیا واقعی ہندوستان اتنا امیر ہے کہ اس کے شہنشاہ کو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات میں تولا جا سکتا ہے، اور کہیں دوسرے پلڑے میں درباریوں نے ریشم کی تھیلیوں میں پتھر تو نہیں ڈال دیے؟

اگر کسی طرح سر ٹامس رو کو واپس لا کر انھیں یہ اعداد و شمار دکھا دیے جائیں تو شاید ان کی بدگمانی ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلٰہ اِلا اللہ

علامہ اقبال

توحید کی خوشبو پھیلی ہے شش جہات

محمد فیاض عادل فاروقی
حال مقیم برطانیہ

جہاں کی روحِ رواں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
کراں سے تا بہ کراں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
جمالِ کون و مکاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
کمالِ دورِ زماں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
ہے معرفت کا بیاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
طریقتوں کی زباں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
ہے رمزِ دہر و جہاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
زماں سے تا بہ مکاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
دیارِ خلد کی جاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
نگارِ لالہ رخاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
تھا رازِ خلق نہاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
کیا خدا نے عیاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
ورائے وقت و مکاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
جہاں سے آگے جہاں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
کلیدِ بابِ جناں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ
نویدِ خُلدِ زماں لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ

فلاحِ کون و مکاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

مرادِ عیشِ جہاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

مدارِ کاہکشاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

فرازِ خورد و کلاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

رُسُلؑ کا وردِ زباں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

لبِ مَلَک پہ رواں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

سبھی صحف میں عیاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

سبھی سلَف کا بیاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

ہماری تیغ و سِناں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

ہمارا حفظ و اماں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

سِلاحِ بت شکناں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

نگاہبانِ جہاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

'نہیں' کے بعد ہے 'ہاں' لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

خدا ہے، تب ہے جہاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

کمالِ نطق و زباں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

جمالِ شعر و بیاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

قرارِ قلبِ تپاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

علاجِ غم زدَگاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

گو مختصر ہے بیاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

ہے عادؔل اصلِ جہاں لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰـــہ

مسائلِ میراث اور
ہمارے اُجڑتے خاندان
(حصہ نہم)

حافظ مختار احمد گوندل

زندگی میں اثاثوں کی تقسیم اور اسلامی اوقاف

چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے

گزشتہ قسط میں ہبہ کے بارے میں تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ زندگی میں ہی اپنے اثاثوں کو اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ان اثاثوں کا مصرف انسان کی اپنی مرضی پر موقوف ہو۔ مرنے کے بعد تو اللہ کا دیا ہوا نظام وراثت متحرک ہو جاتا ہے پھر وہ اثاثہ قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ صرف بصورت وقف انسان اپنے اثاثوں کو ابدی طور پر کسی دوسرے فرد کی ملکیت میں جانے سے روک سکتا ہے، جس سے وہ انفاق فی سبیل اللہ کی سعادتوں سے بھی بہرہ مند ہوتا ہے اور خاندانی و معاشی نظام کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی فلاحی معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے، مدارس و مساجد آباد ہوتی ہیں، باہمی محبت استوار ہوتی ہے، معاشی ترقی اور اخلاقی اقدار بالخصوص معذور افراد کے حقوق کی تکمیل ہوتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ ہر آبادی میں وسیع و عریض اوقاف تھے جن سے معاشرہ کا مستحق طبقہ مفید ہوتا تھا لیکن اب وہ رویہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

زندگی میں مال و دولت کے حصول کے دو ذرائع ہیں: (1) وراثت۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بلا محنت بیش بہا مال و دولت وراثت کی صورت میں عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ انسان ابھی

ماں کے پیٹ ہوتا ہے اور پروردگار وراثت کی صورت میں اسے غنی دیتا ہے۔(2) کسب ومحنت۔ اس دار فانی میں انسان اپنی محنت وقابلیت سے مال و دولت کماتا ہے، خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز، بہرصورت وہ دولت ضرور جمع کرلیتا ہے۔اس کے بعد سوال ہے کہ اس دولت کا مصرف کیا ہو؟ ترمذی میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأ ل عن خمس: عن عمره فيما أفناه و عن شبابه فيما أبلاه و ماله من أين اكتسبه و فيما أنفقه و ماذا عمل فيما علم ۔

''روز قیامت ابن آدم کے پاؤں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے پاس سے نہیں کھسکیں گے، جب تک اس سے پانچ سوال نہ ہوں: (1) اس نے اپنی عمر کہاں فنا کی؟ (2) اور اپنی جوانی کہاں بتائی؟ (3) اور مال کہاں سے اور کیسے کمایا؟ (4) اور کہاں خرچ کیا؟ (5) اور اس نے اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟''

اپنے جمع کردہ اموال کے بارے میں ہر شخص کو معلوم ہے کہ کیسے جمع کیا۔لیکن مصارف کے بارے میں ہر شخص کی ترجیحات اپنی اپنی ہیں۔کیا ہم اپنے مصارف کے بارے میں اللہ کے ہاں جواب دے سکیں گے؟ جب ہر شخص کی اپنی اپنی ترجیحات ہوں تو معاشرہ میں امارت وغربت اور طبقاتی تقسیم جنم لیتی ہے۔ اقوام عالم نے اس اقتصادی و معاشی عدم مساوات کا حل کبھی اشتراکیت (Socialism) تو کبھی اشتمالیت (Communism) کی صورت میں نکالا۔ سوشلسٹ اور کمیونسٹ ممالک نے طاقت کے بل بوتے پر آدھی سے زیادہ دنیا کو اپنے پنجہ استبداد میں لے کر اس ظالمانہ معاشی نظام میں مجبور و بے کس عوام کو اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں عوام اور ماہرین معاشیات نے نہ صرف اس کے مضر اثرات بلکہ سماج میں پیدا ہونے والی تباہی و بربادی کو دیکھ کر رفتہ رفتہ اس نظام معیشت سے نجات حاصل کرلی اور اس کی جگہ آج سرمایہ دارانہ نظام (Capitalisam) نے لے لی، جو اس وقت مغربی دنیا میں رائج ہے، لیکن یہی فطری خرابیاں: غریبوں کا استحصال، سرمایہ دار طبقہ کا تحفظ، دولت کا ارتکاز وغیرہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں بھی موجود ہیں، جس کی وجہ سے عوام میں ایک طبقہ امیر سے امیر تر اور دوسرا

غریب سے غریب تر ہوتا چلا جارہا ہے اور چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کے سحر میں گرفتار مغرب کے لیے کسی متبادل معاشی نظام کو قبول کرنا دشوار ہے۔ اس لئے اب فاقہ کش مظلوم عوام کی نجات کا راستہ اسلامی نظام اوقاف میں ہے۔ بنگلہ دیش کے مولانا عبدالحمید بھاشانی مرحوم نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کسان کانفرنس میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہم جب برسر اقتدار آئیں گے تو ربّ العالمین کے نام پر تمام زمینوں کی Nationalization کریں گے۔ ان کے ذہن میں یہ بات ہو نہ ہو مگر راقم الحروف کے ذہن میں اسلام کے نظام اوقاف کا ہی نقشہ ابھرا تھا۔ آج اگر وقف کا رواج عام ہو جائے تو پاکستان خوشحال ہو جائے۔

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں وقف کو ایک بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ہر دور میں غرباء و مساکین کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے، اصحابِ علم و فضل کو علوم و فنون کی ترویج کرنے، مدارس و مکاتب اور دیگر صنعتی تربیت گاہیں قائم کرنے اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کرنے جیسے لاتعداد اُمور جو معاشرتی فلاح کی بنیاد ہیں، میں اسلامی اوقاف کا کلیدی کردار رہا ہے۔ ہر دور میں اس کارِ خیر اور فلاحی پروگرام کو اُمت مسلمہ نے جاری رکھا ہے۔ وقف انسانیت کی بھلائی اور نیک انسانوں کا وطیرہ رہا ہے۔ مسلمان اپنی جائداد و املاک کو فلاح و بہبود کے لیے وقف کرنا اُخروی نجات تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کی اہمیت و افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر دور میں اوقاف قائم کئے۔ عالم اسلام میں ان اوقاف سے ملک و ملت کی خدمات کے علاوہ بے شمار مفید امور انجام پا رہے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح اسلامی نظام اوقاف سے مسلم معاشرہ مستفید ہوا ہے اسی طرح دیگر اہل مذاہب نے بھی اس سے بخوبی فائدہ اٹھایا ہے۔ جن عالمی مقاصد کے تحت نظام اوقاف وجود میں آیا، استفادہ کے اعتبار سے وہ ہر فرد اور ریاست کے ہر شہری کے لئے یکساں ہے۔

دنیا میں اسلام کی آمد سے قبل گو وقف کی مختلف صورتیں پائی جاتی تھیں لیکن اسلام نے وقف کا جو جامع اور عمدہ ترین تصور پیش کیا ہے کوئی نظام اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، تاریخ میں اسلامی اوقاف کے مساجد و مقابر اور مدارس و مساکن کی دنیا میں کوئی مثال نہیں۔ جہاں ایک مسلم بھی ہے وہاں اس نے اپنے محلّہ میں کنواں، گھر، دفتر اور دکان کے ساتھ خدا کا گھر ضرور تعمیر کیا ہے

بلکہ حسین و بہترین تعمیر کیا ہے اور اگر ممکن ہوا تو ساتھ دینی مدرسہ اور مطب بھی بنایا۔ جہاں مسلم آباد ہیں وہاں قبرستان کی جگہ ضرور وقف کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ دور نبوی ﷺ سے شروع ہوا اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ اوقاف کی بنیاد درج ذیل آیات مبارکہ ہیں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ o (92:3)

''جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے اور جو تم خرچ کرتے ہو پس تحقیق وہ اللہ کے علم میں ہے''

اس آیت مبارکہ کے نزول پر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسجد نبوی کے بالمقابل واقع اپنا قیمتی باغ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی ملکیت کو راہِ خدا میں وقف کرنا نیکی کے درجہ کمال کو پالینا ہے۔

حکیم الامت علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا تھا:

حب دولت را فنا سازد زکوٰۃ ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حَتّٰی تُنْفِقُوا محکم کند زر فزاید الفت زر کم کند

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغام مرگ دستگیر بندہ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو لن تنالو البر حتی تنفقوا !

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ..... (177: 2)

''نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں

(کوآزاد کرانے) میں خرچ کرے،.....''

اسلام کا نظام اوقاف ملت کے اقتصاد و معاش اور قومی فلاح کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اس کا نفع متوقع نہیں بلکہ یقینی ہے۔ وقف خیر و بھلائی کے کاموں میں کیا جانے والا سب سے بہتر عمل ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وقف کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وقف کا ذوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اِذَا مَاتَ الاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ وَ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهٗ (ترمذی)

''جب انسان (ابن آدم) مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال (اور ان کے اجر و ثواب کا سلسلہ) منقطع ہوجاتا ہے۔ سوائے تین اعمال کے (1) صدقہ جاریہ (2) ایسا علم جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو (3) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا گو رہے۔''

صدقہ جاریہ سے مراد وقف ہے اس لئے کہ وقف میں اصل 'چیز' تو باقی رہتی ہے اور اس سے حاصل شدہ فوائد کو صدقہ کر دیا جاتا ہے۔

''ہر وہ نیکی جس کا حکم اللہ نے دیا ہے وہ سبیل اللہ ہے۔ سبیل کا ایک معنی وقف ہے۔ وقف بھی اللہ کے لیے ہوتا ہے لہٰذا وہ راستہ کا معنی ہے''۔ (لسان العرب، 6/162)

محبوب مال کو وقف کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ (بخاری) ''ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بناتے۔ ہمارا تمام ترکہ صدقہ ہے'' اس سے یہ بات عیاں ہے کہ اپنی ملکیت کو راہ خدا میں وقف کرنے والا مومن دراصل عظیم الشان سنت انبیاء علیہم السلام پر عمل پیرا ہو کر مرنے کے بعد بھی سدا جاری رہنے والا سلسلہ اجر و ثواب پاتا ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نمائے عرب کے باہر پہلا خطہ جہاں اسلام کے قدم پہنچے وہ افریقہ ہے، آنحضور ﷺ کی وفات کے صرف سات سال بعد ہی 639ء/ 17ھ میں اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔ آج پوری امت مسلمہ کی چوتھائی وہاں سکونت پذیر ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو کفار مکہ کی اذیتوں کے باعث بحیرہ احمر کے پار واقع زیلع (حبشہ) کی جانب ہجرت کی اجازت دی اور نبی کریم ﷺ کا خط مبارک لے کر 16 صحابہ

کرامؓ نے رئیس قافلہ حضرت عثمان بن مظعون کی معیت میں ماہ رجب پانچ نبوی 615ء میں حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ دنیا کی پہلی 'مسجد صحابہ' جو بعد میں 'مسجد مدر' کے نام سے مشہور ہوئی اسلام میں پہلا وقف ہے۔ اسی وجہ سے مصوع کو افریقہ کا باب الاسلام کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ اس وقت عادل ورحمدل شاہ حبشہ (ابی سینا) اصحمہ بن ابھر نجاشی رضی اللہ عنہ (متوفی اکتوبر 630ء)، جو عرب میں عطیہ کے نام سے مشہور تھے، کے زیر نگین تھا۔ اسے ہجرت اولی/ ہجرت حبشہ کہا جاتا ہے۔ ان اوّلین مہاجرینؓ کی پہلی پناہ گاہ صومالیہ کا ساحل بنا۔ بحیرہ احمر کی ساحلی بندرگاہ مصوع (اریٹیریا) پر صحابہ کرامؓ کے اس پہلے قافلہ کی کشتی لنگر انداز ہوئی۔

موجودہ ریاست اقسوم (ایتھوپیا) کے دارالحکومت عدیس ابابا سے 770 کلومیٹر دور شمال میں، 5 نبوی 615ء میں نجاشی مسجد کی تعمیر، جس کے قریب 15 صحابہ کرام کے مقابر اور شاہ نجاشی کا مقبرہ بھی ہے، شاہ نجاشیؓ کے اسی وقف پر ہوئی، جو اس نے صحابہ کو عطا کیا تھا۔ جس کی اب ترکی کے ادارہ کی طرف سے تزئین نو کی گئی ہے۔

ہجرت مدینہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا وقف مسجد قبا کے لئے فرمایا، جس پر مسجد قباء تعمیر ہوئی۔ بعد ازاں مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے مدینہ کے دو یتیم بچوں سے زمین خرید کر وقف کی بنا ڈالی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سات باغ وقف کیے جو مُخَیریق نامی یہودی جو غزوہ اُحد کے موقع پر مسلمان ہوئے اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے، کی طرف سے ملے تھے، جن کی وصیت تھی کہ اگر جنگ میں شہید ہو جاؤں تو میرے اثاثہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں صرف کریں۔

اسلامی ریاست مدینہ منورہ میں وہ تمام عناصر موجود تھے جو فلاحی معاشی نظام کی بنیاد تصور کئے جاتے ہیں ان عناصر میں ایک اہم عنصر وقف فی سبیل اللہ بھی تھا جس کی وجہ سے بہت قلیل عرصہ میں ریاست معاشی طور پر مستحکم ہوگئی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صاحب استطاعت ہر صحابیؓ رسول نے بقدر استطاعت راہ خدا میں وقف فرمایا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے اپنا گھر اپنے بیٹے کو، سیدنا فاروق اعظم نے مقام مروہ پر اپنا مکان اپنی نرینہ اولاد پر، سیدنا علیؓ نے اپنی جائیداد ینبع نامی جگہ پر، سیدنا زبیرؓ نے مکہ و مصر میں اپنے مکان، مدینہ میں اپنا مال اپنے بچوں پر اور حضرت سعدؓ نے مدینہ میں اپنا مکان وقف فرما دیا۔ مصر میں بھی اپنے مکان کو اپنے بچوں پر وقف کر دیا۔ سیدنا عثمان،

سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا حکیم بن حزام وغیرہم رضی اللہ عنہم نے بھی مختلف جائیدادیں وقف فرمائیں۔ (المغنی:349/5)۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً 80 صحابہ کرام نے اپنے اموال واملاک وقف فرمائیں۔ بعدازاں اتنے اموال اور اتنی جائیدادیں وقف ہوئیں کہ اسلامی اوقاف کا ایک پورا نظام معرض وجود میں آ گیا۔

وقف کے لغوی معانی:

الوقف: (۱) رُکنا، ٹھیرنا۔ (۲) علی الشیء: کسی چیز سے واقف و باخبر ہونا۔ (۳) فی المسئلة: شک وتردد کرنا۔ علی الکلمة: کلمہ پر وقف کرنا یعنی آخری کلمہ کو ساکن کر کے مابعد سے منقطع کرنا۔ (۴) روکنا، بند کرنا، موقوف کرنا۔ وغیرہ

علوم القرآن میں وقف: تلاوت قرآن میں علم وقف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرامؓ کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور ان مقامات کے بارے میں انہیں آگاہ کرتے کہ کہاں کہاں وقف کرنا ہے۔ اس سے انہیں اس چیز کا ادراک ہو جاتا کہ قرآن میں امر کیا ہے اور زجر کیا ہے۔ جب قاری کے لیے لفظ وقف استعمال ہو تو قاری کا وقف کے مواقع بتانا مراد لیا جاتا ہے۔ وقف کے معنی ہیں اخیر کلمہ غیر موصولہ پر سانس کا توڑنا یا آواز کا سانس کے ساتھ بند کرنا اور اگر موقوف علیہ کلمہ متحرک ہے تو اس کو ساکن کر دینا بھی وقف کہلاتا ہے۔ وقف کہتے ہیں عادۃً سانس لینے کی غرض سے کچھ دیر کے لیے کلمے پر آواز بند کرنے کو اس نیت کے ساتھ کہ قراءت کو جاری رکھنے کا ارادہ ہو خواہ موقوف علیہ سے متصل بعد والے سے شروع کرے یا پھر اعادہ کرے۔ یعنی کلمے کے آخر پر کچھ دیر کے لیے آواز منقطع کرنے یا کلمہ کو بعد والے کلمہ سے جدا کرنے کو وقف کہتے ہیں۔ لیکن اس تحریر میں اسلامی اوقاف کی اہمیت کو موضوع بنایا گیا ہے تا کہ اس کی قدر و منزلت کا علم ہو اور ہمارے معاشرہ میں اس کی ترویج ہو سکے۔

وقف کے تشریعی معانی

جمہور علماء وفقہاء وقف کی مشروعیت پر تو متفق ہیں۔ تاہم اس کی ذیلی جزئیات میں اختلاف ضرور ہے۔

☆ صدقہ جاریہ وقف ہی کی صورت ہے۔ (مسلم)

☆ وقف کسی شے (چیز) کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی مِلک کر دینا اس طرح کہ اُس کا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔ (بہار شریعت، ج2، حصہ 10)

☆ شمس الائمہ امام سرخسی وقف کے معنی بیان کرتے ہیں: ھو حبس المملوك عن التمليك من الغير (المبسوط 27/13) ''وقف کسی شئے کو کسی فرد کی ملکیت میں جانے سے روکنا ہے۔''

☆ ھوحبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة ولو فی الجملة (درمختار) ''اصل شی کو واقف کی ملکیت کے حکم میں روکے رکھنا اور اس کے نفع کو فی الجملہ سہی صدقہ کرنا''

☆ ھو حبسها على حكم ملك الله تعالٰی وصرف منفعتها على من احبّ ولو غنيًا (ردالمحتار) ''اصل شی کو اللہ کی ملکیت کے حکم پر روکے رکھنا اور اس کے نفع کو جس پر وہ چاہے، خرچ کرنا گو وہ غنی ہو''

☆ وقف اعتاق (یعنی باندی یا غلام آزاد کرنے) اور مسجد بنانے کی طرح ہے۔ جیسا کہ علاؤالدین ابوبکر الکاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں تحریر کرتے ہیں: ولان الوقف ليس الا ازالة الملك عن الموقوف وجعله لله تعالٰی خالصًا فاشبه الاعتاق و جعل الارض او الدار مسجدًا۔ (اور چونکہ وقف، وقف کردہ چیز سے اپنی ملک زائل کر کے اس کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دینا ہے لہٰذا یہ اِعتاق (آزاد کرنے) اور زمین یا گھر کو مسجد بنا دینے کے مشابہ ہے)۔

اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے بارے میں بالفاظ صریح [مثلاً وہ یہ کہے کہ: وَقَفْتُ (میں نے وقف کر دیا) یا حَبَسْتُ (میں نے روک لیا) یا سَبَّلْتُ (میں نے اللہ کی راہ میں دے دیا) یا سمیت (میں نے اللہ کے نام کر دیا) صریح الفاظ ہیں جس سے مراد دائماً وقف ہے] یا کنایہ کے الفاظ [مثلاً تَصَدَّقْتُ (میں نے صدقہ کیا) حَرَّمْتُ (میں نے حرام کیا) ابدت (میں نے ہمیشہ کر دیا) وغیرہ] سے وصیت کر جائے اور قاضی بر بنائے عرف ان الفاظ کو جو وقف کے معنی و مقصد پر دلالت کے لیے کافی ہوں وقف کا فیصلہ کر دے تو وقف لازمی ہو جایا کرتا ہے۔ یا

اپنی زمین پر مسجد تعمیر کر دے اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی عام اجازت دیدے کیونکہ ایک دفعہ مسجد تعمیر ہو گئی تو قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ مسجد کے لیے وقف سے موقوفہ زمین واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے۔ اس میں رجوع کی گنجائش نہیں۔ یا اس نے اپنی زمین کو قبرستان بنا دیا اور مردوں کو وہاں دفن کرنے کی اجازت دیدے۔ لیکن اس میں واقف کے منشا کی رعایت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ یعنی اگر واقف نے عام مسلمانوں کے لیے وقف کیا ہے تو تمام مسلمانوں کی تدفین اس میں درست ہوگی، اگر اپنے خاندان کے لیے مخصوص کیا تو پھر اس کے خاندان کی میّتوں کو ہی وہاں دفن کیا جائے گا۔

وقف کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جائز التصرف ہو، یعنی اس پر تصرف کرنا جائز ہو اور وقف کرنے والا شخص بالغ، آزاد اور عقلمند ہو، لہٰذا بچے، بیوقوف اور غلام کا وقف صحیح نہیں ہوگا۔

اصطلاح شریعت میں وقف کہتے ہیں اپنی ملکیت کو رضائے الٰہی کی خاطر خالق کائنات کی ملکیت میں دے دینا تاکہ مستحقین اس وقف کردہ شئے کی منافع سے مستفید ہوسکیں۔ مثلاً جائیداد، گھر، دوکانیں، باغات اور کوئی چیز وغیرہ کو روک کر یعنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے فقط اس سے حاصل ہونے والا نفع اللہ کی راہ، کسی خاص فرد یا طبقے کے لیے وقف کرنے والے کے ارادہ کے مطابق خرچ کرنا وقف کہلاتا ہے۔ نہ بیچا جائے اور نہ ہی کہیں منتقل کیا جائے۔ اور ان پر ہبہ یا وراثت کے قوانین کا اطلاق بھی نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی اس میں کسی بھی قسم کا تصرف کیا جائے۔ تاکہ اس نفع مراد وہ ثمرات جو اصل سے حاصل ہوں مثلاً پھل اور اجرت وغیرہ۔ کو خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جاسکے۔

واقف (وقف کر دینے والا) نہ تو دوبارہ اسے اپنی ملکیت میں واپس لے سکتا ہے، نہ اسے فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہبہ کرسکتا ہے۔ وقف کرنے کے بعد واقف کو مستقلاً ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ وقف کی گئی اصل چیز فروخت کرنا، اسے ملکیت بنانا، اس پر قبضہ کرنا، اور اسے ترکہ میں شامل کر کے وراثت کے ساتھ تقسیم کرنا یہ تمام امور ناجائز ہیں۔ البتہ وقف کا متولی اپنی مزدوری کا مستحق ہے۔ اگر واقف کہے کہ یہ وقف اس کی وفات کے بعد نافذ العمل ہوگا تو یہ وقف بالوصیت کہلاتا ہے اور وقف کردہ جائیداد ناقابل انتقال ہوا کرتی ہے۔

وقف علی الاولاد

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انفاق واوقاف میں قرابت کا لحاظ رکھنے میں دہرا اجر ہے۔ ایک تو رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اجر اور دوسرا ان کی ضروریات پوری ہونا کارِ خیر کا موجب ہے۔ لہٰذا فقہاء نے 'وقف علی الاولاد' کے تصور کو اجاگر کیا ہے۔ جب وہ اپنی اولاد پر وقف کرے تو اس کے مستحق بھی مرد وعورت سب برابر ہوں گے۔ جیسا کہ فتاوی شامی میں مذکور ہے:

متی وقف علی اولاده حال صحته وقال علی الفریضة الشرعیة قسم علی ذکورهم واناثهم بالسویة وفی صحیح مسلم من حدیث النعمان بن بشیر: اتقو الله واعدلوا فی اولادکم لانهم فسروا العدل فی الاولاد بالتسویة العطایا حال الحیاة (444/4)

لیکن اگر کوئی شخص اولاد میں تذکیر وتانیث کی شرط لگا دے مثلاً اپنی لڑکیوں کے لیے وقف کرے تو اس کے لڑکے اس میں شامل نہیں ہوں گے اور اگر بعد میں آنے والوں کی شرط لگا دے تو یہ وقف قیامت تک ان لڑکیوں کی اولاد کے لیے ہی سمجھی جائے گی۔ احکام وقف میں واقف کی شرائط کو ہی اہمیت حاصل ہوگی۔ جیسا کہ فقہاء نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے: شرط الواقف کنص الشارع (المغنی 367/5) ''واقف کی شرط شارع کی نص کی مانند ہے''۔ اسی لئے علامہ ابن نجیم مصری تحریر کرتے ہیں: القضاء بخلاف شرط الواقف کالقضاء بخلاف النص لا ینفذ (الاشباہ والنظائر) ''واقف کی شرط کے خلاف قاضی کا فیصلہ ایسا ہے جیسے نص کے خلاف فیصلہ، لہٰذا نافذ العمل نہیں ہوگا۔''

واقف کی شرائط کی تفہیم میں وہی قواعد پیش نظر رکھے جائیں گے جنہیں نصوص کی توضیح میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ جیسے شارع کی نصوص پر عمل کرنا واجب ہے، اسی طرح واقف کی شرائط کا احترام اور انہیں نافذ کرنا واجب ہے۔ (الاشباہ والنظائر)

باطل شرطوں پر عمل نہیں ہوگا، جائز شرطوں کی مخالفت قطعاً جائز نہیں۔ تاہم بعض اوقات ایسی شرطیں کہ جن کی مخالفت وقف کے مفاد میں ہو، تو بہ تقاضائے ضرورت ایسی شرائط کی خلاف ہوسکتا ہے۔ (المدخل الفقهی العام) (جاری ہے) _____

یومِ آزادی۔۔ہم سب کا پاکستان

ابوفیصل محمد منظور انور

برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد کے ساتھ ہی ان کے خلاف مزاحمت کا آغاز ہو گیا تھا اور اس میں 1857ء کی جنگ آزادی کے ساتھ ہی تیزی آ گئی تھی جس میں آزادی کی جدوجہد کرنے والے سرفروش سربکف میدان میں اترے تھے۔ انگریزی سامراج نے تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے مقامی آبادی پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتے ہوئے آزادی پسندوں کو چن چن کر شہید کر دیا تھا مگر آزادی کے متوالوں نے جانوں کے نذرانے دے کر تحریک آزادی کو زندہ رکھا۔ جن معروف قدآور سیاسی و مذہبی شخصیات نے تحریک خلافت اور پھر تحریک آزادی کی جدوجہد میں نئی روح پھونکی، جذبہ حریت کو جلا بخشی اور صدائے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تختۂ دار کی زینت بنتے رہے، ان محبّ وطن افراد کی جانی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انگریز سرکار نے خاص طور پر مذہبی شخصیات اور آزادی کی جنگ کے ہیروز اور ان کے خاندان والوں کو تو نشانِ عبرت بنانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔ کاروان آزادی چلتا رہا بالآخر آزادی کے پرچم کی امانت علامہ محمد اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے جانثار ساتھیوں کے ہاتھ آئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان بننے کا معجزہ رونما ہوا اور رمضان المبارک 1366ھ، 14/اگست 1947ء کے دن مملکت خداداد پاکستان آزاد ہو کر معرضِ وجود میں آئی۔

آزادی کی جنگ میں اس خطے کے کئی مقامی وڈیروں، جاگیرداروں اور پیروں کا

گھناؤنا کردار ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے جو اپنے ہم وطنوں سے غداری کر کے یونینیسٹ بن کر ملکی سیاست میں وارد ہو گئے اور آخری دم تک انگریزوں کی حمایت کر کے اور ان کے نمک خوار بن کر جاگیریں اور عہدے لیتے رہے یہ ننگ وطن عناصر آخر دم تک آزادیٔ وطن کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے۔ بدقسمتی ہے کہ آج انہی غداروں میں سے کئی ایک کی اولادیں آزاد ملک پاکستان میں اقتدار کے مزے لے رہی ہیں۔ کہنے کو تو آزاد ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان وجود میں آچکا ہے مگر بدقسمتی سے یہاں چند خاندانوں نے جمہوریت کو یرغمال بنا کر موروثی خاندانی نظام قائم کر لیا ہے جو ملکی باگ وڈور ہمیشہ اپنے ہی خاندانوں میں رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے خاندانی اقتدار کے لئے وہ ملک وقوم کے خلاف کچھ بھی کرنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں جونہی ان سیاسی معاشی دہشت گردوں کی لوٹ مار کا حساب ہونے کی کوشش ہوتی ہے تو یہ ایکا کر کے ایک دوسرے کو بچانے کے لیے جمہوریت کو خطرات کے راگ الاپنے لگتے ہیں۔ ہمارا طرز سیاست، طرز معاشرت سب مغرب کا ہی ایجنڈا ہے۔ ہماری معیشت کا دارومدار تو مغربی سودی نظام کا مرہونِ منّت ہے جس کی وجہ سے وطن عزیز اس وقت 92 ارب ڈالرز کا مقروض ہے۔

ایک اطلاع کے مطابق ہمیں موجودہ مالی سال کے اختتام تک 26 بلین ڈالرز کی ضرورت ہے جبکہ 2022ء تک ہماری فنانشل ضروریات 45 بلین ڈالرز تک جا پہنچیں گی اس طرح ہمیں آج سے چار سال بعد تک 45 بلین ڈالرز ادھار لینے پڑیں گے۔ یہ بندوبست کن شرائط پر اور کیسے ہوگا؟ ایک بار کشکول لے کر ہمیں پھر IMF کے پاس جانا پڑے گا یا کہیں اور سے بھیک مانگنا پڑے گی؟ یقیناً یہ آنے والی حکومت کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ ہم پہلی اسلامی ایٹمی قوت ہونے کے باوجود اسی مغربی جمہوری لادینی نظام کی نحوست کی وجہ سے سنگین ترین مالی و دیگر داخلی وخارجی مسائل کا شکار ہیں عالمی صہیونی سازشوں میں گھری مملکت پاکستان گزشتہ تین عشروں سے بے مقصد اغیار کی جنگ لڑنے پر مجبور ہے۔ تحریک آزادی وطن کے دوران اس خطے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی نوید مسلسل سنائی دیتی رہی، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کے نعرے نے بکھری ہوئی محکوم ومظلوم اور غلام قوم میں اتحاد و یگانگت کی ایسی روح پھونکی کہ آزادی کے بغیر انھیں اپنی منزل ہی نظر نہ آئی اور پھر اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک خطہ ارضی پر نمودار

ہوگیا مگر ''بسا اے آرزو کہ خاک شد'' سات عشرے بیت چکے اور ابھی تک یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا ہے

پاکستانی حکمران گزشتہ 71 سالوں سے اسلام کے نام پر اور کبھی قوم کے بہترین مفاد میں اپنے دور اقتدار کو طول دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں انتخابات کے موقعوں پر جھوٹے نعرے لگا کر وطن کو ترقی یافتہ ملک بنانے کی باتیں کرتے ہیں مگر اقتدار ملنے پر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ہر حکومت بدیشی حکمرانوں کی جی حضوری کے لیے بے چین نظر آتی ہے مقنّنہ حکمرانوں کی غلام بن کر آئین پاکستان کی پاسداری کی بجائے ان کی منشا کے مطابق غیر آئینی قانون سازی کرنے میں آزاد ہے۔ سرکاری افسران اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے ملکی خزانے کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ سیاست دان آئین کی دفعات 62، 63 پر پورا نہ اُترنے، صادق و امین نہ ہونے اور اربوں کی لوٹ مار کے باوجود اقتدار کے مزے لوٹنے اور نظریاتی سیاست کی بجائے مختلف گروپ بنا کر حکومتوں کو گرانے اور بنانے میں آزاد ہیں۔ جعلی ڈگریاں ہولڈرز اپنی جعل سازی کے باجود وزارت، مشاورت اور دیگر اعلیٰ عہدوں پر براجمان ہو کر خود شرمندہ ہونے کی بجائے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ٹی وی ٹاک شوز میں لچھے دار تقریریں کرتے نہیں تھکتے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ نیب زدہ، قرضہ خور اسمبلیوں میں پہنچ کر 22 کروڑ عوام کے مستقبل کے فیصلے کریں؟ اراکین اسمبلیاں قوانین سازی کرنے کی بجائے بلدیاتی اداروں کے ترقیاتی فنڈز (بھتے) ہڑپ کرنے، سرکاری ملازمتوں کی بندر بانٹ، صبح شام پارٹیاں بدل کر اپنا ووٹ دینے کے عوض رشوت لینے کے لئے لوٹے بننے اور صنعتکار، سرمایہ دار اور زمیندار کروڑوں روپے کے قرضے لیکر ملکی دولت غیر ممالک میں چھپانے میں آزاد ہیں۔ اربوں روپے کے نادہندگان نیب کو پلی بارگین کے ذریعے معمولی رقمیں تھما کر باقی سب ہڑپ کر کے بیرونی ممالک کے بینکوں میں جمع کروانے، عدالتوں کو مطلوب ہونے کے باوجود اقتدار کے مزے لوٹنے یہاں تک کہ این، آر، او جیسا بدنام زمانہ سمجھوتہ قانون بنا کر غریب قوم کے لوٹے گئے کھربوں روپے معاف کروانے والے اور قرضہ خور معزز شہری کہلواتے ہیں۔ بھلا ہو عدلیہ اور نیب کا جو کچھ عرصہ سے آزاد ہو کر فیصلے کر رہی ہے۔ اللہ کرے کہ نیب اور عدلیہ کی آزادی کا موسم سدا بہار رہے۔ تاکہ پانامہ پیپرز میں آف شور کمپنیاں بنا کر اربوں روپوں

کی غیر قانونی منی لانڈرنگ کرنے والے 435 کے لگ بھگ افراد کے علاوہ 222 قرضے معاف کروا کر ہڑپ کرنے والے مگرمچھوں اور سوئیز بینکوں میں 200 ارب ڈالرز کے لگ بھگ بھاری رقوم چھپانے والوں کو بے نقاب کر کے ملکی خزانے کو لوٹنے والوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے۔

یوم آزادی کے موقع پر ہر سال تجدید عہد کرنا چاہیے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر قوم کے نوجوانوں کو جو ہمارا مستقبل کا سرمایہ ہیں، تحریک پاکستان کی تاریخ سے روشناس کروادیا جائے تاکہ وہ سیاستدانوں اور جرائم پیشہ عناصر کے ہاتھوں کھلونا بننے کی بجائے مقصد آزادی کے حصول پر توجہ مرکوز کریں۔ ماہرین تعلیم اپنے تجربات سے نونہالانِ چمن کو مستفیض کریں۔ سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹرز پرائیویٹ ہسپتالوں کی بجائے عوام کو سرکاری ہسپتالوں میں ہی علاج معالجہ فراہم کرنے کو ترجیح دیں۔ تاجر دو نمبر یا ملاوٹ شدہ مال فروخت کرنے، ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی اور من مرضی کی قیمتیں وصول کرنے سے باز آجائیں۔ صحافت آزاد ہے کہ بچھو کو سانپ بنادیں اور جس کسی کی بھی پگڑی اچھالنا چاہیں اچھال دیں، میڈیا مالکان صحافت کی آزادی کے نام پر اخلاقی قدروں کی پامالی، معاشرے میں عریانیت اور بے راہ روی کو رواج دینے سے اجتناب کریں۔ ہمارے میڈیا کو مادر پدر آزاد، عریانی فحاشی پر مبنی مغربی غیر ملکی ثقافتی یلغار کا حصہ بننے سے گریز کر کے اسلامی و قرآنی تعلیمات کو فروغ دینا چاہیے۔ کیبل مافیا نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اس کے عریانی اور فحاشی پر مبنی پروگرامز کا نتیجہ ہے کہ اقبال کا شاہین صفت نوجوان مغربی اور ہندی تہذیب کا رسیا بن کر اپنی شناخت تک بھول چکا ہے۔ پاکستانی پولیس آزاد ہے کہ وہ ہاتھی کو چوہا ثابت کردے مجرموں کو پورا پورا تحفظ فراہم کرے۔ نئی حکومت کے نعرے میں نیا پاکستان بنانے کا عزم بھی ظاہر کیا گیا ہے لہٰذا پولیس کے محکمے میں وسیع پیمانے پر اصلاحات کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔ وطن عزیز میں رہنے والے کچھ لسانی گروہ، علاقائی تنظیموں اور کئی جماعتوں کے رہنما حکومتوں کو بلیک میل کرنے میں آزاد رہے ہیں وہ میر جعفر و میر صادق جیسے ملک دشمن کردار سیاست کا لبادہ اوڑھ کر ملکی سالمیت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے ساتھ ہماری پاک فوج کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے اور اسے اور وطن عزیز کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں ایسے ملک دشمن عناصر کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی فوری ضرورت ہے۔

آج ہم پاکستانیوں کو من حیث القوم اسی تناظر میں اپنی حالت کا بغور جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے کہ عالمی ایٹمی قوت ہونے کے باوجود آج ہم ہر میدان میں ذلیل ورسوا کیوں ہو رہے ہیں؟ اور آئے دن ہمارے مسائل میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ اور ہمارے قومی وملکی حالات بد سے بدتر کیوں ہوتے چلے جا رہے ہیں؟ 1971ء میں ہمارا ملک دولخت ہوگیا اور بدترین شکست کا داغ بھی ہمارے ماتھے پر لگ گیا تھا۔ آج ہماری حالت پھر دگرگوں اور پہلے سے بھی بدتر ہے اور باقی ماندہ ملک کی حالت بھی ڈانواں ڈول ہے۔ رو رو کر مانگی گئیں ہماری دعائیں اور فریادیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ یہ دراصل کوئی غیر متوقع اور غیر معمولی صورت حال نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے اجتماعی قومی رویے کا نتیجہ ہے اور یہ رویہ یا طرز عمل کیا ہے؟ کہ ہم نے اپنی ترجیحات بدل لی ہیں ہماری اطاعت اللہ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ ہم اپنے پیارے اللہ کو چھوڑ کر بہت سی دوسری طاغوتی اسلام دشمن لادین مغربی قوتوں کے غلام بن گئے ہیں۔ ہم نے تو اللہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہمیں آزاد ملک مل جائے تو اس میں اللہ کے دین کا بول بالا کریں گے۔ مگر آج ہم اللہ کے ساتھ کئے گئے وعدے سے انحراف کر چکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ہماری دعائیں اور فریادیں کیسے قبول ہوں گی اور ہماری دادرسی اور مدد کیوں کی جائے گی؟ چنانچہ اصولی طور پر ہم دعائیں بھی اسی عرش عظیم کے رب سے کریں اور اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت بھی خم کریں۔

سورۃ مؤمن آیت 4 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَا يُجَادِلُ فِيْ آيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغُرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ (نہیں جھگڑتے اللہ کی آیات میں مگر وہی لوگ جو کفر کرتے ہیں، تو (اے نبی ﷺ) زمین میں ان کی چلت پھرت آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے)۔ یہاں پر سب مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ان غیر مسلموں کے مادی وسائل، ان کی طاقت، ترقی اور ٹیکنالوجی تمہیں مرعوب نہ کرے۔ دیکھو کسی دنیوی سپر پاور کے دھوکے میں آ کر کہیں تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کو بھول نہ جانا۔ آج ہم سب اپنے رب العالمین کو چھوڑ کر لادینی قوتوں کی جھولی میں جا بیٹھے ہیں اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنا قبلہ درست کر کے مزید ذلت و خواری سے بچ سکتے ہیں۔

آزادی کے 71 سال مکمل ہونے پر آزاد مملکت کے آزاد لوگوں کو لاکھوں شہداء کی

روحیں آزادی کا مطلب سمجھانے کے لیے پکار رہی ہے کہ ہم نے یہ ملک اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے کے نام پر حاصل کیا تھا تا کہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزاریں گے مگر سات عشرے گزار لئے اور نفاذ اسلام کی طرف کوئی پیش رفت ہی نہیں ہوسکی ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں حقیقی اسلامی شریعت کے نفاذ کی بجائے صرف قرارداد مقاصد ہی ایک دستاویز موجود ہے جو اسلام پرستوں کی تسلی و تشفی کا باعث ہے مگر عملی طور پر ملک اسلامائزیشن سے کوسوں دور ہے۔ آزاد وطن کے آزاد لوگو ذرا سوچو! اور آزادی کی قدر و قیمت کو پہنچانو، ایسا تو نہیں ہم ایسے آزاد لوگ ایک بار پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جا چکے ہیں۔ یہ کڑوا سچ ہے کہ ہم غلامی کی تاریک راہوں پر چل کر اپنے آپ کو، اپنے نصب العین کو بھی بھول چکے ہیں اغیار کی اندھی تقلید نے ہمارا نصب العین، ہمارے نظریات تک ہم سے چھین لیے ہیں۔ گزشتہ سات عشروں سے عیدیں منا رہے ہیں اسلام جس ایثار اور قربانی کے جذبے کا درس دیتا ہے ان نیک جذبات سے عاری قوم نمائشی افطاریوں، قربانیوں پر لاکھوں روپے اڑا دیتی ہے جبکہ غریب اور مفلوک الحال آج بھی فاقہ کشی کا شکار ہیں۔

الیکشن جولائی 2018ء ہو چکے نئی حکومت کے عہدیداران نے عنانِ حکومت سنبھال لی ہے منتخب وزیراعظم عمران احمد خان نے بھی قوم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ فرمان قائداعظم محمد علی جناح کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کو مدینہ منورہ کی اسلامی فلاحی ریاست جیسا رول ماڈل بنائیں گے۔ اللہ کرے کہ قوم سے کیا گیا یہ وعدہ وفا ہو جائے اور ملک کے 22 کروڑ عوام مادر پدر آزاد مغربی معاشرے کے آزاد منش انسانوں کی بجائے ایک صحیح اسلامی نظریاتی اور فلاحی مملکت کے ذمہ دار اور محبّ وطن شہری بن کر اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔ یوم آزادی کے موقع پر ہم اس بات کا عہد کریں ہے کہ اپنے ملّی فرائض پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کر کے وطن عزیز کی ترقی اور خوشحالی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے　　وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں　　یہاں خزاں کو گزرنے کی مجال نہ ہو

تبصرہ وتعارف کتب

سیرت میرے حضور ﷺ کی

مرزا محمد نواز بیگ

ناشر: بک کارنر، بالمقابل اقبال لائبریری، جہلم

تبصرہ نگار: صوفی محمد صفدر

سیرت النبی ﷺ ایک ایمان افرورز موضوع ہے جس کو مختلف انداز میں بیان کرنے، کتابیں لکھنے (کچھ مفصل اور کچھ مختصر) کا یہ سلسلہ ابتدائے اسلام سے قیامت تک جاری رہے گا۔ جس طرح آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید محفوظ ہے بالکل اسی طرح آپ ﷺ کی سیرت بھی ہمیشہ محفوظ رہے گی (ان شاءاللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ (ہم نے آپ (ﷺ) کا ذکر بلند کیا)۔ یہ بھی علم میں آتا ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد کم از کم پچاس صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے حالات و واقعات اور اقوال تحریری شکل میں جمع کیے اور دوسروں تک پہنچائے۔ بعض محققین کے مطابق ان صحابہ کرام کی تعداد ہزاروں تک بھی پہنچتی ہے جنہوں نے زبانی روایات کی تھیں۔ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی سیرت ایک عالمگیر اور دائمی حیثیت رکھتی ہے جو ہر قسم کی دینی اور دنیاوی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ بازار میں ہزاروں مؤلفین اور مصنّفین نے اپنے اپنے انداز میں سیرۃ النبی ﷺ پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن زیرتبصرہ کتاب ''سیرت میرے حضور ﷺ کی'' ایک نئے انداز میں لکھی گئی۔

مولف نے سیرت کے واقعات کو نبوی اور ہجری سال کے مطابق اس طرح قلم بند کیا ہے کہ ایک عام قاری بھی ایک ہی نشست میں پوری سیرت کا عکسی جائزہ پیش کرسکتا ہے۔ اس کتاب کا انفرادی اور اجتمائی سطح پر بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ مولف نے قرآن مجید ایک معجزہ کی

سائنسی تحقیق وتصدیق، نماز کی اہمیت اور منجملہ ارکان کی حکمت بڑے پیارے انداز میں بیان کی ہے۔شہد کی خاصیت بیان کرنے سے قبل شہد کی مکھی کا جس طرح ذکر کیا ہے، بڑے معنی خیز اور غور طلب الفاظ تحریر میں ہیں۔مثلاً شہد کی مکھی عالم نہیں مگر حلال وحرام کی تمیز رکھتی ہے، جوہری نہیں مگر جوہر شناس ہے۔حساب دان نہیں مگر اپنے گھر (چھتہ) کے خانوں کو، گرمی سردی آندھی طوفان سے بچاؤ تک کا خیال رکھتی ہے۔

مولف مرزا نواز بیگ پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو ذریعہ آمدن کا مقصد نہیں بنایا بلکہ عوام الناس کے لیے سیرت رسول ﷺ سے لگاؤ اور حب رسول ﷺ کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ وہ بھی اپنی زندگیاں سیرت محمدی ﷺ کے مطابق ڈھال سکیں۔دعا ہے کہ مرزا نواز بیگ کی یہ ادنیٰ سی کوشش بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کرے اور ان کے اہل خانہ کے لیے بخشش ومغفرت کا ذریعہ بنے، آمین۔(صفحات:436، قیمت:999روپے)

چند اہم قرآنی اِصطلاحات

مصنف: صلاح الدین ایوبی

ناشر: الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

زیر تبصرہ کتاب صاحب تصنیف کے تیر نیم کَش کے پس پردہ خلوصِ نیت، حرم کعبہ میں دعاؤں اور اُن کی فغانِ نیم شبی کا ثمر ہے۔قرآن حکیم کا نزول عربی مبین میں ہوا۔اہل عرب سبع معلقات ایسے نادر ادبِ عالیہ کے امین تھے۔لہٰذا لسانِ قرآن کی تفہیم میں انہیں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔مگر جب اہل ایران وروم تک کو قرآن نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا تو پھر لسانِ قرآن میں مستعمل اصطلاحات کے متعدد معانی ومفاہیم ایجاد کر لیے گئے۔جس کے نتیجہ میں حقیقی مطالب قرآن پردۂ اخفا میں چلے گئے اور ان کے نظام ہائے فکر وفلسفہ اسلامی نظام فکر میں دخیل ہو گئے۔زیر تبصرہ کتاب قرآنی اصطلاحات کی اُن نئی جہات کی ضوفشانی اور ایک تجدیدی کاوش ہے جو مصنف کے تفردات ہیں اور ان کی نظر میں ان قرآنی اصطلاحات کی یہی حقیقی روح

ہے۔ تاہم ان کے الفاظ میں اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ غواصانِ ذخیرۂ علوم قرآن کے لیے نادر تحفہ اور دینی کتب خانوں کی اشد ضرورت ہے۔ (قیمت:-/350)

تفاخرِ پاکستان

مؤلف: ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم

برائے رابطہ: نظریہ پاکستان اکادمی، سرگودھا

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

زیرِ تبصرہ تصنیف جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ قیامِ پاکستان سے آج تک کی کامیابیوں و کامرانیوں کی دلفریب داستان ہے۔ تاریخی و علمی لحاظ سے یہ قابلِ صد آفریں تحریری دستاویز ہے۔ لیکن تاریخ نویسی کا بنیادی مقصد حقائق کا بیانیہ یعنی تفاخر ہی نہیں بلکہ ان خامیوں کا بھی تذکرہ ضروری ہوتا ہے جس سے اجتناب مستقبل کی راہوں کی بنیاد بنا کرتا ہے۔ برعظیم کی تقسیم سے دو مملکتیں وجود میں آئیں۔ تاہم قیام پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ 27 رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں منصۂ شہود پر آیا اور یقیناً اوجِ ثریا تک اس کی رفعتیں اور اسلام کا مضبوط قلعہ بننے تک یہ ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔ لیکن تاریخی حقائق کا ادراک و تجزیہ بھی ضروری ہے۔ اگرچہ بہت سی معلومات خوش فہمی اور حب الوطنی کا تقاضا تھا اور درج کر دی گئی لیکن بہتر ہوتا کہ جن (SITES) سے استفادہ کیا گیا ان کا حوالہ ضرور دے دیا جاتا۔ مثلاً افواجِ پاکستان کے بارے میں جاوید چوہدری صاحب کے کالم سے لی گئی معلومات کا حوالہ ضروری تھا کیونکہ اسی کے ساتھ افواج پاکستان کی رینکنگ کی مختلف اور بھی SITES جن میں اس سے مختلف رینکنگ ملتی ہے اور قیام پاکستان کے وقت افواجِ پاکستان کی تعداد، 1971ء کی جنگ وغیرہ اسی طرح جغرافیائی و ثقافتی معلومات بھی بغیر کسی پروف ریڈنگ کے شائع ہوگئی ہیں مثلاً چین کا محل وقوع، پاکستان سے ملحق ممالک کی سرحدوں کی لمبائی خصوصاً گوادر کے بارے میں معلومات وغیرہ بھی قابل غور ہیں ایسا نظر آتا ہے کہ زیادہ تر معلومات انٹرنیٹ سے لی گئی ہوں اور مستند حوالہ جاتی مواد سے تغافل برتا گیا ہے۔ اگرچہ کتاب کے مطالعہ سے بہت سی باتیں نظر ثانی کی محتاج ہیں اور اس

امید کے ساتھ کہ آنے والے ایڈیشنز میں تصحیح کردی جائے گی تاکہ مستقبل کے معماران کو مضبوط حقائق سے آگاہی ہوسکے تاہم اس میں کوئی شک نہیں جیسا کہ انھوں قومی تفاخر کے ستر سال کے آخر پر تحریر کیا ہے: ''پاکستان سب کے لیے ہے۔ یہاں سب کچھ ہے۔ ان شاء اللہ، اہل وطن پاکستان پر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ یہ قوم بہادر ہے، زلزلے میں تباہ شدہ علاقہ جات کی تعمیر، سیلاب زدگان کی بحالی، خشک سالی میں گھرے ہوئے افراد کی امداد، دہشت گردوں کے ستائے ہوئے لاکھوں افراد کی کفالت، بیماروں کی صحت یابی کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ اگر ہم حق مانگتے ہوئے اپنا فرض بھی ادا کریں تو پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔

جب اپنا قافلہ عزم و یقیں سے نکلے گا　　جدھر سے چاہیں گے رستہ وہیں سے نکلے گا
وطن کی مٹی مجھے ایڑیاں رگڑنے دے　　مجھے یقیں ہے کہ چشمہ یہیں سے نکلے گا''

پاکستان کے بارے میں ایک معلوماتی رہنما کتاب کی حیثیت کی حامل ہے اور ہر لائبریری میں اس کا وجود طلبہ اور تحقیق کنندگان کے لیے ناگزیر ہے۔

یقین_ عمل_ محبت

مؤلف: پروفیسر رشید احمد انگوی

ناشر: الخلیل ریسرچ سنٹر، مرغزار کالونی، لاہور

تبصرہ نگار: حافظ عطاء الرحمٰن

زیر نظر کتابچہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے اُردو کلام سے انتخاب کردہ 30 اشعار اور ان کی تشریح پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ تالیف بقول مؤلف یہ ہے: ''ایک مردِ دانا و اقبال شناس کی خدمت میں چند لمحات کے لیے حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ وہ تاکید فرما رہے تھے کہ آج پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی بے یقینی اور غلامی کا شکار دکھائی دیتی ہے اور ایسے میں علامہ اقبال کے اشعار و افکار کی روشنی میں اس کی راہ نمائی کی ضرورت ہے''۔ اس کتابچہ میں مؤلف نے علامہ اقبال کے ان اشعار کا انتخاب کیا ہے جو مسلمان میں یقین محکم پیدا کرنے، عمل پیہم پر آمادہ کرنے اور دلوں کو محبت فاتح عالم ﷺ سے آباد کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اور یہی کامیاب زندگی کا فارمولا ہے۔

فرمودۂ اقبال

عالمِ نو

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر
خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر!
اور جب بانگ اذاں کرتی ہے بیدار اسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر!
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کف خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر!

(ضربِ کلیم)

بسمہٖ تعالٰی

8000 سال کی عالمی تاریخ کے بہاؤ میں آج انسانیت جس کرب، دُکھ، احساسِ محرومی اور انسانیت کش جنگوں کے سائے میں کھڑی ہے، اس سانحہ کا سہرا ایک خودغرض، وحی بیزار، خدا بیزار اور انسان دشمن گروہ کے سر ہے۔ سیّدنا اِمام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے فرامین کے مطابق اس گروہ کا زوال (BEGINNING OF END) شروع ہو چکا ہے۔

ماہنامہ حکمت بالغہ کی

12 ویں خصوصی اشاعت

وسائلِ رزق پر قبضہ
اور ارتکازِ دولت کے
شیطانی طریقے
بنی اسرائیل، یاجوج ماجوج
کا گٹھ جوڑ

ان شاء اللہ یکم نومبر کو دستیاب ہوگی

یہ خصوصی اشاعت (350 صفحات) مفت حاصل کرنے کے لیے

ماہنامہ حکمت بالغہ کے تاحیات ممبر بنیں یا سالانہ خریدار بنیں

(ادارہ)